(الامتحان)

(آزمائش)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	وجہ انتخابِ مضمون	۷
۲	معاملات کی اقسام	۸
۳	غلط فہمی	۸
۴	کثرت مال کے نقصانات	۹
۵	فرعون کی بدعقلی	۹
۶	عقل کے معنی	۱۰
۷	نفع نقصان کی حقیقت	۱۰
۸	عقل کا فتویٰ	۱۱
۹	نفع نقصان میں معیار انتخاب	۱۲
۱۰	نقصان کا معیار	۱۲
۱۱	نقصانات سے بچنے کا طریقہ	۱۳
۱۲	بعض امراء کی حماقتیں	۱۴
۱۳	بے وقوفی کی انتہاء	۱۵
۱۴	عقل کی کارستانی	۱۶
۱۵	کثرت رزق کا مدار عقل پر نہیں ہے	۱۷
۱۶	جاہلانہ خیالات	۱۸
۱۷	دعا کی ضرورت	۱۹

۱۸	تکبر کا علاج	۱۹
۱۹	نعمت میں مضرت کی تحقیق کا فائدہ	۲۰
۲۰	مصائب میں نعمتوں کا ظہور	۲۱
۲۱	اللہ پاک ماں سے بھی زیادہ رحیم ہیں	۲۱
۲۲	اللہ کی مخلوق سے محبت کی انتہاء	۲۲
۲۳	تکالیف کا فائدہ	۲۳
۲۴	مصائب وتکالیف کی تمثیل	۲۵
۲۵	قیامت کے قریب ہونے کی مثال	۲۵
۲۶	اشکال کا جواب	۲۶
۲۷	مرتے ہی سزا وجزا	۲۷
۲۸	فرحت وکلفت کا عدم احساس	۲۷
۲۹	ارتکاب گناہ پر سالکین کا حال	۲۸
۳۰	نیکی کی لذت	۲۹
۳۱	اہل اللہ کے استغنیٰ کی وجہ	۲۹
۳۲	اہل اللہ کو حاصل شدہ دولت	۳۰
۳۳	موت کے وقت مومن کی خوشی	۳۲
۳۴	حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ کی ذکر اللہ سے محبت	۳۲
۳۵	اہل اللہ کی پریشانی	۳۳
۳۶	جزاء وسزا میں تاخیر کی حکمتیں	۳۴
۳۷	مصیبت زدہ پر انعامات	۳۵

۳۸	بیماری اور مصائب میں لوگوں کا طرز عمل	۳۵
۳۹	اخباری خبروں کا حال	۳۶
۴۰	خبر کا مقصود	۳۷
۴۱	اخباری خبروں کا مقصد	۳۸
۴۲	بے تکی خبروں کا نقصان	۳۹
۴۳	تجویز کردہ علاج کا نقصان	۴۰
۴۴	خبروں کے تذکرہ میں دینی نقصان	۴۱
۴۵	خدا پر اعتراضات	۴۲
۴۶	اللہ تعالیٰ کا حلم	۴۳
۴۷	علم خداوندی کی عظمت و بلندی	۴۵
۴۸	احکام الٰہی کے اسرار معلوم کرنے کی حقیقت	۴۵
۴۹	محبت خدا کا فائدہ	۴۶
۵۰	محبت کا مقتضاء	۴۷
۵۱	محبت کے ثمرات	۴۸
۵۲	محبت الٰہی کا حال	۴۹
۵۳	اہل کے صبر کی شان	۵۰
۵۴	عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۵۱
۵۵	آج کل کی محبت کی مثال	۵۲
۵۶	حقیقی عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۵۳
۵۷	عاشق کا حال	۵۴

۵۸	اللہ سے محبت نہ ہونے کا انجام	۵۵
۵۹	اللہ سے محبت رکھنے والے کی سوچ	۵۵
۶۰	مصائب کی حکمتیں	۵۶
۶۱	اقسام مجاہدہ	۵۶
۶۲	عقل محدود ہے	۵۷
۶۳	مصائب کی حکمتیں	۵۸
۶۴	اللہ کی دو شانوں کا ظہور	۵۹
۶۵	جنت سے خروجِ آدم کا راز	۵۹
۶۶	انبیاء اور صلحاء کی شان	۶۰
۶۷	حروف مقطعات کا راز	۶۱
۶۸	مقصودِ آیت	۶۱
۶۹	معیار عشق	۶۲
۷۰	امتحان عشق	۶۲
۷۱	غرض امتحان	۶۳
۷۲	معتزلہ کا رد	۶۴
۷۳	مقصودِ امتحان	۶۴
۷۴	بیماری اور مصیبت بھی رحمت ہے	۶۵
۷۵	بشر حافی کا مقام بلند	۶۵
۷۶	صحابہ پر محبت کا اثر	۶۶
۷۷	محبت پیدا کرنے کا طریقہ	۶۷

وعظ

(الامتحان)

(آزمائش)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض احباب کے اصرار پر جامع مسجد کانپور میں یکم ربیع الاول بروز جمعرات ۱۳۳۷ھ وعظ ''الامتحان'' ممبر پر تشریف فرما ہوکر ڈھائی گھنٹہ تک ارشاد فرمایا۔ موضوع تھا ''آفات سماویہ کے احکام'' آپ نے بہت تفصیل سے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ دنیا میں انسان کو جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور ان کے بہت سے فوائد ہیں انسان کو بطور آزمائش ان میں مبتلا کیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا اجر عظیم عطاء کیا جائے گا تو انسان کہہ اٹھے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کھال قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتی تاکہ آج اس اجر کا مستحق ہوتا۔ آپ کے اس وعظ سے کمزور ہمت لوگوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ سامعین کی تعداد تقریباً ایک ہزار مردوں پر مشتمل تھی جن میں طلباء وعلماء کا مجمع زیادہ تھا احمد عبدالحلیم صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وعظ کو قلم بند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۴/ ذی القعدہ ۱۴۳۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ﴾(۱)

وجہ انتخاب مضمون

یہ تین آیتیں ہیں سورۂ عنکبوت کی، جن میں ایک نہایت ضروری مضمون مذکور ہے گواس کی ضرورت تو ہر وقت ہے مگر بعض اوقات کے ساتھ اُس کو زیادہ خصوصیت ہے اور حاصل اُس کا ایک غلطی کو رفع کرنا ہے (۲) اور ظاہر ہے کہ جس مضمون سے کسی غلطی کا رفع ہو وہ مضمون نہایت ضروری ہوگا خصوص جبکہ وہ غلطی بہت سے مفاسد کی جڑ (۳) ہو تو اُس کا رفع کرنا اور بھی ضروری ہوگا کیونکہ غلطی کا رفع کرنا گویا مرض کا علاج کرنا ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ امراض کا علاج نہایت ضروری ہے یہی شان ہے اس مضمون کی کہ اس میں ایسی غلطی کا رفع ہے جو بہت سی غلطیوں کا سبب ہے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اس کے متعلق کبھی غلطی ہو جاتی ہے۔

---

(۱) ''اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا سورۂ عنکبوت: ۳ (۲) غلطی دور کرنا ہے (۳) بہت سی برائیوں کی بنیاد ہو۔

معاملات کی اقسام

کیونکہ معاملات دو قسم کے ہیں ایک موافق طبیعت اور ایک خلاف طبیعت۔ جو موافق طبیعت ہو وہ نعمت ہے، اور جو خلاف طبیعت ہو اسے ابتلاء (۱) کہنا چاہئے آگے میں اسی عنوان سے گفتگو کرونگا یعنی موافق طبیعت کو نعمت اور خلاف طبیعت کو ابتلاء کہوں گا۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ دو قسم کے معاملے ہوتا ہے۔ کبھی ابتلاء کا کبھی نعمت کا خواہ انعام کہہ لیجئے چنانچہ انسان پر کبھی صحت کی حالت ہے کبھی مرض کی، صحت انعام ہے اور مرض ابتلاء، اسی طرح کبھی ارزانی ہے (۲) کبھی قحط (۳) تو ارزانی نعمت ہے اور قحط ابتلاء۔ اسی طرح کبھی امن ہے کہ راحت اور اطمینان سے بسر ہوتی ہے بے فکری اور چین سے گذرتی ہے اور کبھی خوف ہے جس میں ہر وقت اندیشہ رہتا ہے جیسے مخالفین کی کثرت یا اعداء کا تسلط (۴) وغیرھا (۵) بہرحال جو حالت بھی انسان کو پیش آتی ہے وہ یا انعام ہے یا ابتلاء کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر حالت یا تو موافق طبیعت ہوگی یا خلاف طبیعت۔

غلط فہمی

ان کے متعلق انسان سے دو قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں جو حالت انعام کی ہے اس کے متعلق تو یہ غلطی ہوتی ہے کہ وہ اسے منفعت محضہ (۶) خیال کرنے لگتا ہے اور مضرت کا احتمال (۷) ہی نہیں ہوتا جس سے یہ نعمت غفلت و عجب و کبر اور حق تعالیٰ سے بے فکری اور ناز و معصیت اور لوگوں کی تحقیر اور ظلم کی طرف منجر ہو جاتی ہے (۸)

(۱) آزمائش (۲) کبھی اشیاء کی فراوانی ہے (۳) کبھی تنگی (۴) دشمنوں کا غلبہ (۵) اور اس کے علاوہ (۶) خالص نفع سمجھتا ہے (۷) نقصان کا خیال ہی نہیں ہوتا (۸) اس بات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے خود پسندی، تکبر، اللہ کے عذاب سے بے فکری، ناز، گناہ، دوسرے کو حقارت سے دیکھنے اور ظلم وغیرہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اور ان میں بعض صریح معاصی ہیں بعض غیر صریح (۱)۔ گویا یہ حالت سبب ہے بہت سے گناہوں کی مثلاً کسی کو اولاد مل گئی یا مال بہت سا مل گیا اور اس کو محض نعمت سمجھ کر بیفکر ہوگیا اور جو مضرتیں اس میں ہیں ان کا احتمال ہی نہیں ہوا۔

کثرت مال کے نقصانات

مثلاً مال میں یہ مضرت (۲) ہے کہ اس سے غفلت عن اللہ (۳) پیدا ہوتی ہے ہم نے بہت کم ایسے لوگ دیکھے جن کو فراغت نصیب ہو پھر بھی توجہ الی اللہ (۴) کی فکر ہو الا ماشاء اللہ (۵) مال کے ساتھ تو زیادہ تر خدا سے غفلت بے پروائی غرباء کی تحقیر بے رحمی اور ظلم ہی کی زیادت ہوتی ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ انسان اس لئے سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔اب وہ حد سے ہی نکل جاتا ہے اور اس کے ساتھ اگر عقل اور تہذیب میں بھی کمی ہو تو بندوں کا مقابلہ کرتے کرتے خدا کا بھی مقابلہ کرنے لگتا ہے فرعون کی سرکشی کی یہی وجہ تھی اس نے کبھی مصیبت اور بلا کی صورت نہ دیکھی تھی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو اپنی مناجات میں ظاہر بھی فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ﴾ (۶) لیضلوا میں لام عاقبت کا ہے یعنی مال و دولت اور ساز و سامان کی کثرت کا انجام یہ ہوا کہ وہ سرکشی اور طغیانی میں مبتلا ہوگئے اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

فرعون کی بدعقلی

دوسرے مقام پر ارشاد ہے ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ یہ موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے کہ فرعون کے پاس جائیے وہ حد سے نکل گیا ہے فرعون کے

(۱) بعض کھلے گناہ ہیں بعض پوشیدہ اور ان میں بعض کھلے گناہ ہیں بعض پوشیدہ (۲) نقصان (۳) اللہ سے لاپرواہی (۴) اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا خیال ہو (۵) مگر بہت کم (۶) سورۂ یونس: ۸۸۔

پاس ملک تھا مال تھا لشکر تھا یہ سب نعمتیں تھیں مگر عقل نہ تھی اس سے اس کو یہ نقصان پہنچا کہ اس نے خدا سے بھی سرکشی کی، فرعون عاقل نہ تھا محض آکل تھا یعنی کھانے پینے عیش اُڑانے کے سامان اس کے پاس تھے اگر اسی کا نام عقل ہے تو سب سے زیادہ عقل ہاتھی کو ہونا چاہیے اسے جنگل میں دیکھئے کیسی مار دھاڑ کر کے اپنی خوراک بہم پہنچاتا اور خوب کھاتا ہے کوئی جانور اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا سوائے شیر کے کبھی وہ غالب آتا ہے کبھی یہ جہاں یہ چرنے جاتا ہے سب جانور ڈر کر الگ ہوجاتے ہیں اور یہ تمام جنگل مسمار کردیتا ہے کسی کو اس کے پاس پھٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی تو اگر کھانے پینے مار دھاڑ کرنے ہی کا نام عقل ہے تو سب سے عاقل ہاتھی ہوا حالانکہ وہ جانور ہے عاقل نہیں ہے۔

عقل کے معنی

پس معلوم ہوا کہ عقل اور ہی کسی چیز کا نام ہے عقل کے معنی لغت میں روکنے والا ہیں اسی سے عقال رسّی کو کہتے ہیں کہ وہ جانور کو بھاگنے سے روکتی ہے تو عقل کا حاصل یہ ہوا کہ وہ ایک ایسی قوۃ مدرکہ ہے (۱) جو مضرت سے روکتی ہے۔

نفع نقصان کی حقیقت

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ مضرت (۲) کیا چیز ہے اور منفعت (۳) کیا چیز ہے سو اصل میں مضرت کی بھی مختلف قسمیں ہیں اور منفعت کی بھی کیونکہ ہر منفعت میں کچھ نہ کچھ مضرت بھی ہے اور ہر مضرت میں کچھ نہ کچھ منفعت بھی ہے (۴) اب عقل کا یہ کام ہے کہ وہ یہ بتادیتی ہے کہ کہاں منفعت کا پہلو غالب ہے اور کہاں

(۱) عقل اچھے برے میں تمیز کرنے کی ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو نقصان سے روکتی ہے (۲) نقصان دہ (۳) فائدہ مند (۴) ہر نفع مند چیز میں کچھ نہ کچھ نقصان ہوگا اور ہر نقصان میں کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔

مضرت کا۔ مثلاً ایک شخص کو بہت شدت کی پیاس لگی ہوئی ہے حلق خشک ہوا جاتا ہے دم نکلا جاتا ہے ایسے وقت اس کے پاس صرف دودھ ہے مگر ایسا دودھ ہے جس میں سے کچھ سانپ بھی پی گیا ہے جس کی وجہ سے زہریلا ہوگیا ہے اب بعض دوست تو یہ کہتے ہیں کہ میاں دودھ پی بھی لو تمہارا حلق تو تر ہوجائیگا اور پیاس تو بجھ جائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ اسے ہرگز نہ پینا کیونکہ اس میں زہر ہے اس وقت تو حلق تر ہوجائیگا مگر پھر حیات ہی منقطع ہوجائیگی (۱) تو دیکھئے یہاں پر دو باتیں جمع ہیں منفعت بھی ہے کہ پیاس بجھ جائیگی اور مضرت بھی ہے کہ حیات منقطع ہوجائے گی اس وقت عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ گو دودھ پی لینے میں قدرے منفعت بھی ہے مگر یہ منفعت معتد بہا (۲) نہیں اس لئے نہیں پینا چاہیئے۔ الغرض منفعت قابل اعتبار وہ ہے جو ضرر پر غالب ہو اسی طرح ضرر قابل اعتبار وہ ہے جو نفع پر غالب ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

عقل کا فتویٰ

دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ اور ملائیے کہ دنیا کی منفعت سے آخرت کی منفعت بڑھی ہوئی ہے اور دنیا کی مضرت سے آخرت کی مضرت بڑھی ہوئی ہے دنیا کی منفعت و مضرت آخرت کی منفعت و مضرت کے آگے کوئی چیز نہیں ان دونوں مقدموں کے ملانے کے بعد عقل یہی فتویٰ دے گی کہ جس کام میں دنیا کی منفعت ہو مگر آخرت کی مضرت ہو (۳) ایسی منفعت کو چھوڑ کر آخرت کی مضرت سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے اسی طرح کسی کام میں دنیا کی مضرت ہو اور آخرت کی منفعت ہو تو عقل یہ کہے گی کہ اس چھوٹی سی مضرت کو بڑی منفعت کے لئے گوارا کرنا چاہئے۔ بس یہ ہے اصلی عقل، مگر آجکل لوگوں نے دنیا کمانے کا نام عقل رکھ لیا ہے اگر اسی کا نام عقل ہے تو فرعون سب سے بڑا عاقل ہوگا مگر اس کا جاہل اور احمق ہونا تمام

(۱) زندگی ہی ختم ہوجائے گی (۲) یہ فائدہ قابل اعتبار نہیں ہے (۳) دنیا کا فائدہ لیکن آخرت کا نقصان ہو۔

مسلمانوں کو مسلم ہے بس نعمت کے اندر صرف منفعت کا اعتقاد رکھنا غلطی ہے جب نعمت کے ساتھ خدا سے غفلت ہوئی تو اُس کے ساتھ اُس سے زیادہ مضرت ملی ہوئی ہے۔

نفع نقصان میں معیار انتخاب

الغرض کوئی مضرت ایسی نہیں جس میں منفعت نہ ہو اور کوئی منفعت ایسی نہیں جس میں مضرت نہ ہو۔ لیکن اگر مضرت زیادہ نہ ہو تو منفعت گوارا کر لی جائیگی اور اگر مضرت کا حصہ زیادہ ہو منفعت سے تو منفعت کو ترک کر دیا جائیگا چنانچہ نافع سے نافع دوا اور عمدہ سے عمدہ غذا مضرت سے خالی نہیں اور مضر سے مضر دوا اور بدتر سے بدتر غذا منفعت سے خالی نہیں پس تمام ادویہ واغذیہ من وجہ نافع ہوئیں اور من وجہ مضر (۱) مگر تمام عقلاء ادویہ واغذیہ کے بارے میں غالب کو دیکھتے ہیں جس میں غلبہ نفع کو ہو اس کو نافع اور جس میں غلبہ ضرر کو ہو اس کو مضر سمجھتے ہیں۔

نقصان کا معیار

اسی طرح اعمال وافعال واحوال کو سمجھنا چاہئے کہ وہ بھی من وجہ نافع ہیں اور من وجہ مضر۔ لہذا عقل کا مقتضا یہ ہے کہ دونوں پر نظر کرے یعنی جس کا نافع ہونا ظاہر ہو وہاں مضرت میں غور کرنا چاہئے کہ اس میں کوئی نقصان تو نہیں اور جہاں مضرت ظاہر ہو وہاں معمولی منفعت پر نظر نہ کرنا چاہئے مثلاً سنکھیا ظاہر ہے کہ مہلک ہے اس لئے کوئی عقلمند اس ضرر کو دیکھ کر اس پر نظر نہ کریگا کہ اس میں یہ نفع بھی ہے کہ خاص ترکیب سے استعمال کرنے سے حرارت عزیزیہ کو مشتعل کرتا ہے (۲) اور مٹھائی کے منافع ظاہر ہیں کہ کھا کے جی خوش ہوتا ہے خوش ذائقہ اور مرغوب طبائع

(۱) ایک حیثیت سے مفید دوسری حیثیت سے نقصان دہ (۲) حرارت عزیزیہ جو زندگی اور قوت کا باعث ہے اس کو بڑھا دیتا ہے۔

ہے سو یہاں اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں کچھ ضرر تو نہیں۔ چنانچہ تحقیق کے بعد معلوم ہوگا کہ اس میں بعض کے لئے مضرت بھی ہے کہ صفرا پیدا کرتی ہے اور معدہ کو خراب کرتی ہے۔ اسی طرح صحت ایک نعمت ہے جس کی منفعت ظاہر ہے کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے قوت درست رہتی ہے طبیعت میں فرحت وانبساط (۱) ہوتا ہے کام میں جی لگتا ہے۔ نیز فراغت وتمول بھی (۲) نعمت ہے اور اس کی منفعتیں بھی ظاہر ہیں ان میں اس بات کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ منفعت کے ساتھ کوئی مضرت تو نہیں چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوگا کہ ان میں ایک مضرت بھی ہے اور بہت بڑی ہے وہ یہ کہ کبر، ناز، عجب، غرور، غفلت، غریبوں کی تحقیر، کمزوروں پر ظلم، یہ انہیں دو نعمتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

نقصانات سے بچنے کا طریقہ

مگر ان مضرتوں کا مقتضا یہ نہیں ہے کہ انکو نعمت ہی نہ سمجھے اور ناشکری کرے کیونکہ یہ مضرتیں غنا اور صحت کے لئے لازم بالذات نہیں ہیں (۳) بلکہ ہماری کم عقلی کی وجہ سے ان کو لازم ہوگئی ہیں پس وہ نعمت تو ضرور ہیں۔ تو اب ضرورت اس کی ہے کہ ان نعمتوں کی منفعت سے مستفید ہو اور مضرت سے بچنے کی کوشش کرے اسی طرح مثلاً مرغ کا گوشت کھانا ظاہر میں نافع ہے (۴) کہ اس میں لذت بھی ہے فرحت بھی ہے یہ منفعت بھی ہے کہ حرارت عزیزیہ بڑھاتا ہے مگر اس کے ساتھ مضرت پر نظر کرنا چاہیئے وہ یہ کہ کثرت سے اس کا گوشت کھانا مورث بواسیر (۵) ہے کیونکہ اس میں حرارت (۶) زیادہ ہے اس ضرر کا تدارک یہ

(۱) خوشی ومسرت پیدا ہوتی ہے (۲) کوئی کام نہ ہونا اور مال دار ہونا (۳) یہ نقصانات مالداری اور صحت کے لئے بالکلیہ لازم نہیں ہیں (۴) فائدہ مند (۵) مرغ کا گوشت زیادہ کھانے سے بواسیر کی بیماری ہوجاتی ہے (۶) اس میں گرمی زیادہ ہے۔

ہے کہ دھنیا وغیرہ ڈال کر حرارت کی تعدیل(۱) کر لی جاوے اور کثرت سے نہ کھایا جائے الغرض نعمتوں میں مضرتوں کی تحقیق سے مقصود یہ ہے کہ ان مضرتوں کا انسداد(۲) کیا جاوے نہ یہ کہ نعمتوں کی تحقیر کر کے منعم کی ناشکری کی جائے (۳) مثلاً خدا نے کسی کو بے فکری سے کھانے کو دیا ہے تو یہ نعمت ہے اور اس میں مضرت عجب وناز کی ہے(۴) اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبر وتفکر سے(۵) کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر محض اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا مجھ میں کوئی کمال بھی نہ تھا بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کر کے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال پھرتے ہیں اُس کا فضل ہی تو ہے جو اُس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں ؎

اگر روزی بدانش برفزودے　　　زناداں تنگ روزی تر نبودے(۶)

بعض امراء کی حماقتیں

بہت لوگ جاہل ہیں مگر تعلیم یافتہ لوگوں سے زیادہ متمول ہیں چنانچہ ایک صاحب بڑے امیر کبیر میرے پاس آئے بڑی دور سے آئے تھے مگر عقل خاک نہ تھی(۷) نہایت سادہ لوح تھے وہ میرے پاس اپنی بیوی کو زندہ کرانے آئے تھے ان کے ساتھ نوکر چاکر یار دوست سب ہی تھے مگر امراء کے مصاحب بڑے خود غرض

(۱) اس نقصان سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ گوشت کے ساتھ دھنیہ کا استعمال کیا جائے تاکہ اس کی گرمی ختم ہوکر اعتدال پیدا ہو جائے (۲) ان نقصانات کا تدارک (۳) نہ یہ کہ انعامات کی حقارت کی جائے اور اللہ کے ناشکری (۴) خود پسندو ناز کی بیماری ہے (۵) اس کا علاج یہ ہے کہ غور وفکر سے کام لے (۶) اگر رزق کی فروانی عقل کی بنیاد پر ہوا کرتی تو کم عقل آدمی کی روزی کبھی فراخ نہ ہوتی (۷) عقل بالکل نہیں تھی۔

ہوتے ہیں ایک نے بھی تو ان سے یہ نہ کہا کہ کس خبط میں پڑے ہو کہیں مردہ بھی کسی کے ارادہ سے زندہ ہوسکتا ہے وہ بھی یہ سوچ کر ساتھ آ گئے کہ اچھا ہے مزے سے سیر ہی کریں گے یہاں آ کر رئیس صاحب نے مجھ سے اپنی غرض ظاہر کی مجھے ہنسی آئی اور ان کو بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ سمجھے اور کہنے لگے کہ اولیاء اپنی کرامت سے زندہ کر سکتے ہیں ۔ میں نے قسم کھائی اور کہا کہ اول تو میں ولی نہیں دوسرے اولیاء کی کرامت اختیار میں نہیں ہوتی بے چارے میرے سامنے ساکت تو ہو گئے (۱) مگر علیحدہ جا کر اپنے مصاحب سے کہنے لگے کہ مولانا زندہ تو کر سکتے ہیں مگر مصلحت کے خلاف ہوگا اس لئے نہیں کرتے۔

بے وقوفی کی انتہاء

اس کے بعد اُنکی ایک حکایت اس سے بھی عجیب معلوم ہوئی کہ ایک مرتبہ سالی سے کچھ تکرار ہوگئی اور باہم نزاع ہوگیا مقدمہ بازی کی نوبت آئی تو آپ ناراض ہوکر اپنی بیوی کی قبر پر اس قصہ کی اطلاع کرنے پہنچے کہ تمہاری بہن نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا قبر پر پہنچ کر نوکر کے ذریعہ سے پیغام دلوایا کہ ان سے کہو کہ شیخ صاحب کا تم کو یہ حکم ہے کہ چونکہ تمہاری بہن نے ہمیں ناراض کردیا ہے اگر وہ کچھ ثواب بھیجیں تو تم ہرگز ہرگز نہ لینا اگر تم نے ان کا ثواب بھیجا ہوا لیا تو ہم تم سے ناراض ہوجائیں گے پھر آئندہ اور کچھ بھیجنا تو درکنار پچھلا بھیجا ہوا بھی چھین لیں گے پھر تم بھوکوں مرجاؤں گی (معلوم نہیں اب دوبارہ کیونکہ مرے گی خدا بچائے جہالت سے) نوکر کہتا تھا کہ مجھے بہت شرم آئی کہ قبر پر کھڑا ہوکر یہ خرافات کیسے کہوں مگر پیٹ کی ضرورت سے کہا۔ اب تیسری عقلمندی یہ دیکھئے کہ جب پیغام

(۱) خاموش۔

دلوا چکے تو نوکر سے پوچھتے ہیں کہ کچھ جواب آیا یا نہیں اُس نے کہا نہیں تو آپ نے حکم دیا کان لگا کر اچھی طرح سنو اُس نے پھر سنا اور کہا ابتک جواب نہیں آیا کہا اچھا تم قبر کے برابر لیٹ جاؤ اور پھر کان لگاؤ بچارہ مجبور ہو کر قبر کی برابر لیٹا۔ پوچھا کچھ جواب آیا کہا نہیں (وہاں کچھ ہو تو جواب آئے) کہنے لگے معلوم ہوتا ہے اس وقت ادہر متوجہ نہیں ہیں شاید کسی کام میں ہوں نوکر کہتا تھا کہ اس کے بعد میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اب کبھی ان کے ساتھ قبرستان نہیں جاؤں گا۔ کون ان کے ساتھ یہ مجنونانہ حرکات کرے تو ان امیر صاحب کی عقل کا تو یہ حال تھا مگر مال و دولت بہت کچھ تھا سچ ہے ؎

کم عاقلٍ عاقلٍ اعیت مذاھبه وجاھلٍ جاھلٍ تلقاه مرزوقا
ھذا الذی ترك الاوھام حائرۃ وصیرا لعالم النحریر زندیقا (۱)

عقل کی کارستانی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عاقل کی حکایت تحریر فرمائی ہے کہ پاپیادہ (۲) جنگل میں چلا جارہا تھا راستہ میں ایک بدوی (۳) اونٹ پرسوار ملا اس سے پوچھا کہ میاں اس اونٹ پر کیا لادرکھا ہے کہا ایک طرف گیہوں اور ایک طرف بالو (۴)۔ پوچھا یہ کیوں؟ کہا ایک طرف گیہوں بھر دئے تھے دوسری طرف کی گون (۵) خالی تھی وزن برابر کرنے کو اس میں بالو بھر دی۔ عاقل نے کہا اس کی کیا ضرورت ہم تمہیں آسان ترکیب بتادیں میاں بالو کو تو پھینکدو اور گیہوں کے دو حصے کر کے آدھی ایک گون میں بھردو آدھے دوسری گون میں۔ اس میں اونٹ بھی ہلکا رہیگا اور

(۱) کتنے ہی عقلمند ایسے عقلمند ہیں کہ (روزی تلاش کرتے کرتے) ان کو راستوں نے تھکا دیا ہے اور کتنے ہی جاہل ایسے جاہل ہیں کہ ان کو رزق دے دیا جاتا ہے یہ وہ چیز ہے کہ جس نے سوچوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور ایک عقلمند عالم (روزی نہ ملنے کی وجہ سے) ناشکرا ہوجاتا ہے (۲) پیدل (۳) دیہاتی (۴) ریت (۵) دوسری طرف کا تھیلا۔

وزن بھی برابر ہوجائیگا سوچ کے کہنے لگا ہاں واقعی بات تو بہت ٹھیک بتائی چنانچہ اونٹ کو بٹھایا اور بالو پھینک کر دونوں طرف آدھے آدھے گیہوں بھر دیئے۔اب اونٹ بھی ہلکا ہونے کی وجہ سے زیادہ رفتار سے چلنے لگا تو بدوی اس عاقل کا بہت شکرگذار ہوا اوراس کو پیادہ پا(۱) پریشان دیکھ کر کہا آؤ ہم تم کو بھی سوار کرلیں چنانچہ اس کوسوار کرکے آگے چلا پھردل میں سوچا کہ جس کی اتنی بڑی عقل ہے یہ تو بڑا مالدار ہوگا (وہ بیوقوف عقل پر رزق کا مدار سمجھتا تھا) کیونکہ جب میرے پاس باوجود بیوقوف ہونے کے ایک اونٹ ہے تو نہ معلوم اس کے پاس کتنے ہونگے غرض نہ رہا گیا(۲) اوراس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے اونٹ ہیں کہا ایک بھی نہیں پوچھا بکریاں کتنی ہیں کہا ایک بھی نہیں پھر پوچھا آخر کچھ ہے بھی۔کہا کچھ نہیں۔(وہاں تو ایک گدھا بھی نہ تھا اونٹ گائیں اور بکریاں کہاں سے آئیں) کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عقل بڑی منحوس ہے میں ایسے منحوس کو اپنے اونٹ پر بھی نہیں بٹھلاتا یہ کہہ کے اُسے اتار دیا۔پھر کہنے لگا بھائی سنو میں تمہاری رائے کو بھی قبول نہیں کرتا کہیں تمہاری رائے کی نحوست سے میں بھی تم جیسا نہ ہوجاؤں ایک گون میں گیہوں اور ایک میں بالو بھر کے چلدیا۔عقل کی برکت تو ظاہر ہوگئی کہ اونٹ سے بھی اُتارے گئے۔

کثرت رزق کا مدار عقل پر نہیں ہے

اب سمجھ لیجئے کہ رزق کا مدار عقل پر نہیں ورنہ زیادہ عقل والے کم عقلوں سے زیادہ مالدار ہوتے حالانکہ زیادہ عقل والے آپ کے سامنے موجود ہیں اور بہت پریشان ہیں لیاقت سے رزق ملنا قارون کا عقیدہ ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب اُس سے کہا کہ احسن کما احسن اللّٰہ الیک یعنی زکوٰۃ دے

(۱) پیدل چلتے ہوئے (۲) پس خاموش نہیں رہا۔

خدا کی طاعت کر بندگان خدا کے ساتھ احسان کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو اس کے جواب میں وہ کہتا ہے انما اوتیتہ علی علم عندی کہ مجھے (خدا نے نہیں دیا بلکہ) ایک ہنر کی بدولت مجھے یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ وہ ہنر کیمیا تھا(۱) بعض نے کہا تجارت میں مہارت رکھتا تھا بعض نے کہا امور سیاسیہ (۲) میں کامل تھا اور دربار فرعون کا مشیر تھا۔ غرض کسی نہ کسی ہنر میں وہ ماہر تھا اور اس زمانہ کے اعتبار سے بہت بڑی لیاقت رکھتا تھا۔ اس پر اُسے ناز تھا کہ اپنے تمول (۳) کو اسی کی طرف منسوب کیا اور اس کی طرف منسوب کرنے کا مفسدہ (۴) یہ ہوا کہ اُسے کسی کی پرواہ نہ رہی یہاں تک کہ خدا کی بھی پراہ نہ رہی فرعون نے بھی یہی کیا تھا۔

جاہلانہ خیالات

اس زمانہ میں بھی بہت سے لوگ فرعون اور قارون کے ہم خیال ہیں۔ میرے وطن ہی کا قصہ ہے کہ وہاں ایک مسلمان خوش حال ہے اور نماز روزہ کا بہت پابند ہے اس کے عزیزوں میں ایک بوڑھا نہایت جاہل ہے (اس کا نام لیکر) کہنے لگا کہ فلانے کی عقل ماری گئی ہے جو پانچوں وقت ہاتھ پسار پسار کے دعا کرتا ہے ارے سسرے تجھے ہاتھ پسارنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تیرے پاس کھانے کو نہیں پہننے کو نہیں (معاذ اللہ) گویا دعاء کرنے کی ضرورت روٹی کپڑے ہی کے واسطے تو ہے کہ جس کو روٹی کپڑا مل جائے وہ دعا نہ کیا کرے۔

(۱) سونا بنانا (۲) سیاسی معاملات میں کمال حاصل تھا (۳) اپنے مالدار ہونے (۴) نقصان۔

دعا کی ضرورت

اور اگر دعاء اسی کے لئے ہو تب بھی مالدار کو دعاء کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جیسا دیا ہے وہ چھین بھی سکتا ہے وہ رزق دے کر مجبور نہیں ہو گیا کہ دے چکا تو اب چھین نہیں سکتا اللہ کی تو بڑی شان ہے ایک چور کو بھی یہ قدرت ہے کہ اس کے گھر میں نقب لگا کر ابھی سارا مال ختم کر دے۔ غرض ذرا سے تغیر میں مال ختم ہو جاتا ہے مثلاً کوئی مقدمہ قائم ہو جائے یا کوئی بیماری ایسی آجائے کہ سارا روپیہ حکیم اور ڈاکٹر کی فیس ہی میں خرچ ہو جائے مال کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں یہ تو ذرا سے بہانہ میں نکل جاتا ہے۔

تکبر کا علاج

اسی لئے عربی میں مثل مشہور ہے "المال غادورائح" مال آنے جانے والی چیز ہے ان باتوں کو سوچ کر سمجھنا چاہئے کہ یہ جو کچھ مال و دولت میرے پاس ہے اس میں میرا کچھ بھی دخل نہیں محض خدا کا عطیہ ہے خالص اُسی کا فضل ہے کہ مجھ سے اچھے اچھے میرے تابع اور دست نگر (۱) ہیں۔ یہ ہے علاج غفلت کا اسی طرح تکبر کہ غرباء سے بات نہیں کرتے۔ امراء انہیں ذلیل سمجھتے ہیں الا ماشاء اللہ بعض سمجھدار ایسے بھی ہوتے ہیں جو ؏ نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں (۲)۔ کا مصداق ہیں کہ باوجود امارت اور دولت کے نہایت متواضع ہیں مگر غالب حالت اس کے خلاف ہی ہے ان متکبروں کو سمجھنا چاہئے کہ تم کس پر تکبر کرتے ہو حقیقت میں تم ایسی چیز پر تکبر کرتے ہو جسکا حصول تمہارے اختیار میں نہیں اور حصول تو کیا اختیار

---

(۱) میرے محتاج ہیں (۲) پھل دار شاخ زمین پر جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

میں ہوتا اُس کا ابقاء بھی (۱) تو اختیار میں نہیں پھر ایسی چیز پر تکبر کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ تو تکبر کا علمی علاج ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ غرباء کی تعظیم وتواضع کریں خوشی سے نہ ہوسکے تو بہ تکلف ہی کریں ان سے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی (۲) سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہوجایا کریں ان کی دلجوئی کریں۔ علی ہذا القیاس (۳) ہر مرض کا ایک خاص علاج اُسی کے مناسب ہوتا ہے اوراس کی بہت سی کتابیں ہیں مثلاً ''احیاء العلوم'' اور ''اربعین'' عربی میں ''کیمیائے سعادت'' فارسی میں اور ''مذاق العارفین'' اُردو میں موجود ہے ''اربعین'' اور ''کیمیائے سعادت'' کا اردو ترجمہ ''تبلیغ دین'' اور'' اکسیر ہدایت'' ہے ان کا مطالعہ کرنا چاہئے ان کے دیکھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہر مرض کی شرح اوراسکا علاج معلوم ہوجائیگا اوراس سے یہ نفع ہوگا کہ بہت سے مفاسد سے آپ بچ سکیں گے۔

نعمت میں مضرت کی تحقیق کا فائدہ

اسی طرح نعمت میں بھی مضرت کی تحقیق سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس مضرت سے حفاظت ہوسکے گی ابتلاء کی مضرت تو ظاہر ہے (۴) مثلاً قحط ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے بہت غریب بھوکوں مرجاتے ہیں اچھے اچھے گھر تباہ ہوجاتے ہیں اور بڑے بڑے امیر مقروض ہوجاتے ہیں اسی طرح خوف میں پریشانی اور دھڑکا ہے کہ جنگ کا۔ نہ معلوم کیا اثر ہو دشمن ہم پر غالب آجائیں تو ہلاکت اور بے آبروئی کا سامنا ہے اسی طرح بیماری کہ جو بیمار ہے وہ تو تکلیف میں ہے ہی اور جو بیمار نہیں تو اگر مرض خاص ہے تو اوپر والوں کو تیمارداری کی تکلیف ہے اور امراض عامہ میں وحشت ودہشت بھی ہے (۵)۔ وباء طاعون بخار انفلوئنزا میں ایک ایک محلّہ کے پانچ

(۱) اس کا باقی رہنا (۲) ان سے اچھی طرح گفتگو کریں (۳) اسی پر دوسری باتوں کو قیاس کرلیں (۴) کسی مصیبت میں مبتلاء ہونے کا نقصان تو ظاہر ہے (۵) عام امراض میں وحشت وپریشانی بھی ہے۔

پانچ چھ چھ گھر ویران ہوگئے ان میں تالے پڑ گئے تو ایسے واقعات میں زیادہ پریشانی ہوتی ہے یہ ان کی مضرت تو ظاہر ہے ہی۔

مصائب میں نعمتوں کا ظہور

مگر ہماری غلطی یہ ہے کہ ان واقعات کی منفعت پر نظر نہیں کرتے مضرت تو کھلی ہوئی ہے مگر ہم کو ان کی منفعت پر اصلاً التفات (۱) نہیں تو خوب سمجھ لیجئے کہ ان میں نفع بھی ہے اور اتنا بڑا نفع ہے کہ نعمت میں بھی نہیں مگر ہماری غفلت ملاحظہ ہو کہ ادھر توجہ ہی نہیں سبب اس کا یہ ہے کہ خدا سے بے تعلقی ہے اس سے محبت نہیں ہے نہ ان کی محبت کا علم ہے جو ان کو بندہ کے ساتھ ہے نہ اجمالاً نہ تفصیلاً اگر انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور دل میں ان کی عظمت ہو اور اس کا بھی علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے وہ بندوں کے خیر خواہ ہیں اگر یہ علم تفصیلی نہ بھی ہو صرف اجمالاً ہی ہو تو بندہ اتنا ہی سمجھے کہ جب اللہ تعالیٰ ایسے کریم خیر خواہ اور رحیم ہیں اور حکیم بھی ہیں تو انہوں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہوگا بہتر ہی کیا ہوگا۔

اللہ پاک ماں سے بھی زیادہ رحیم ہیں

دیکھئے ماں کو اولاد سے محبت ہوتی ہے تو وہ اپنی اولاد کے ساتھ کبھی برائی نہیں کرتی اگر وہ کسی وقت بچہ کو کوئی تکلیف دیتی ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ماں اپنے بچہ کو کوئی منفعت پہنچانا چاہتی ہے جو بدوں (۲) تکلیف کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ تو خدا تعالیٰ تو ماں سے زیادہ رحیم ہیں وہ بھلا بغیر آپ کی منفعت کے آپ کو تکلیف کیوں دینگے بلکہ ماں کی تکلیف میں تو شبہ بھی ہے کہ شاید اس نے غلطی کی ہو اور جس نفع کے لئے وہ تکلیف دے رہی ہے وہ نفع مرتب نہ ہو یا ویسے ہی غصہ میں

(۱) توجہ نہیں (۲) بغیر تکلیف۔

بے قصور بلا وجہ تکلیف دے رہی ہو۔ مگر خدا کی جناب میں تو یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ رحیم بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں اور ماں رحیم تو ہے مگر حکیم نہیں ہے۔ ایک غزوہ میں رسول مقبول ﷺ تشریف لے جارہے تھے کہ ایک عورت کو آگ سلگاتے ہوئے دیکھا اُس کا بچہ بھی پاس بیٹھا ہوا تھا وہ اس کو آگ سے بچاتی جاتی تھی، حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر صحابہ سے فرمایا کیا تمہارے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے صحابہ نے عرض کیا نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا بخدا اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ سے ماں سے بھی زیادہ محبت ہے۔

اللہ کی مخلوق سے محبت کی انتہاء

بھلا سنئے جو لوگ اطاعت کرنے والے ہیں ان سے تو خدا کو محبت کیوں نہ ہو خدا کی رحمت تو نافرمانوں کے ساتھ بھی بہت کچھ ہے۔ کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ بجلی گرا کے سب نافرمانوں کو ایک دم سے ہلاک کردے مگر ہلاک کرنا تو کیسا اکثر کوئی ظاہری تکلیف بھی تو ظالموں کو نہیں ہوتی۔ فرعون قارون سامری ان سب کو دیکھئے کیسے نافرمان تھے مخلوق کو تکلیفیں ان سے پہنچیں انبیاء کے دل ان سے دکھے مگر ان کے سر میں کبھی درد بھی نہ ہوا اور دنیا کی دولت سے اخیر وقت تک مالا مال رہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے اور خوب کہا ہے ؎

اے کریمیکہ از خزانہ غیب   گبرو ترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ بادشمناں نظر داری(۱)

اگر کوئی نوکر ہماری نافرمانی کرے اور ہمارا بس چلے تو بدوں خون پئے نہ رہیں (۲)

(۱) اے اللہ کریم آپ خزانہ غیب سے متکبرین ومخالفین کو بھی روزی پہنچارہے ہیں آپ کی ذات دوستوں کو کیسے محروم رکھ سکتی ہے جبکہ آپ کی نظر کرم تو دشمنوں پر بھی ہے (۲) اس کا خون ہی پی جائیں۔

اور اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ اُس کے خاندان بھر سے انتقام لیں پھر بھی دل ٹھنڈا نہ ہو تو کیا خدا تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو برباد نہیں کر سکتے؟ ان کو کون چیز مانع ہے مگر باوجود اس قدرت وعظمت کے ان کی تو یہ شان ہے ؂

گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم (۱)

یعنی نافرمانی پر سزا دینی کیسی فضیحت بھی تو نہیں کرتے (۲) بلکہ وہی دنیا کی عزت ہے وہی سواریاں ہیں وہی آرام وعیش ہے بلکہ نافرمانوں کو مال و دولت اتنا دیتے ہیں کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ چاہتے ہیں۔ اللہ اللہ کیا ٹھکانا ہے حلم کا۔ دشمنوں کو بھی روزی دیتے ہیں کہ خوب کھاؤ اور اسی واسطے دیتے ہیں کہ شاید توبہ کرلیں یہ ہے رحمت عامہ مگر باوجودیکہ لوگ توبہ نہیں کرتے اس پر بھی رحمت کم نہیں ہوتی بلکہ برابر روزی اور مال و دولت دیتے رہتے ہیں کہ شاید باز آجاویں۔ جب نافرمانوں کے ساتھ یہ رحمت ہے تو فرماں برداروں کے ساتھ کس قدر ہوگی۔

تکالیف کا فائدہ

اب اگر کسی وقت ان کو کچھ تکلیف پیش آتی ہے تو وہ ضرور کسی ایسے نفع (۳) کے لئے ہے جو سلسلہ اسباب میں بدوں (۴) اس تکلیف کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اس کا حاصل ہونا ہے بہت ضروری، اس لئے بندہ کو تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ دیکھئے کسی بچہ کے دنبل نکل آئے تو ماں کیا کرے گی یقیناً اس میں نشتر دلوائے گی (۵) گو بچہ کو کتنی ہی تکلیف ہو اور وہ کتنا ہی رووے اور آپ بھی اس وقت

(۱) آپ گناہ کو دیکھتے ہیں اور اپنے حلم سے اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں (۲) یعنی نافرمانی پر سزا تو کیا دیتے شرمندہ بھی نہیں کرتے (۳) فائدہ (۴) بغیر (۵) چیرا دلوائے گی تاکہ فاسد مادہ نکل جائے۔

دیکھ کر یہی کہیں گے کہ ماں کی خیر خواہی کا مقتضا یہی ہے[1] کہ وہ اس وقت بچہ کے رونے کی پروانہ کرے اور دنبل کا[2] اپریشن کرادے مگر بچہ سے پوچھیئے تو وہ یہ کہیگا کہ ماں سے زیادہ میرا بدخواہ (۳) اور دشمن کوئی نہیں ہے کہ اپنے سامنے میرا بدن لہولہان (۴) کرارہی ہے مگر عاقل سمجھتا ہے کہ ماں کو تکلیف دینا مقصود نہیں بلکہ رفع تکلیف (۵) مقصود ہے اور اس کے لئے تھوڑی سی تکلیف ضروری تھی راحت اس کے بعد ہوگی اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

طفل مے لرزد زنیش احتجام مادر مشفق ازاں شد شاد کام (۶)

بھلا نشتر لگانا تو بڑی بات ہے بچے تو سر منڈاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں چنانچہ کوئی بچہ شرارت کرتا ہو اور اس سے یہ کہئے کہ اچھا ہم نائی کو بلاتے ہیں وہ تمہارے سر پر استرہ چلائیگا بس مارے ڈر کے ساری شرارت بھول جاتے ہیں مگر وہی نشتر لگانے والا جس کے فعل کو بچے بدخواہی پر محمول کرتے اور اس کے نام سے سہمتے ہیں(۷) ان کے باپ سے کہتا ہے کہ لائیے حضور انعام دلوایئے دیکھئے میں نے کس صفائی سے کام کیا ہے باپ کہتا ہے اچھا لو پانچ روپیہ لے لو وہ کہتا ہے نہیں حضور یہ تو تھوڑے ہیں وہ کہتا ہے اچھا دس روپیہ لے لو پھر نشتر کے بعد غسل صحت ہوتا ہے تو اُسے جوڑا اور خلعت (۸) ملتا ہے مگر لڑکا یہ سمجھتا ہے کہ سب نے مل کر مجھے تو ذبح کرایا اور خود خوشیاں منارہے ہیں اب بتلایئے اس بچہ کے متعلق آپ کیا فتوی دینگے یقیناً یہی کہیں گے کہ لڑکا احمق ہے اس کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ جسے ذبح کرانا سمجھتا ہے اُسی کی بدولت آج یہ خوشی نصیب ہوئی اگر وہ ذبح نہ کرایا جاتا تو شاید یہ

(۱) تقاضا (۲) پھوڑے (۳) میرے ساتھ برائی کرنے والا (۴) خون آلودہ (۵) تکلیف دور کرنا (۶) بچہ ڈاکٹر کے نشتر (چیرا) دینے سے خوفزدہ ہے اور اس کی محبت کرنے والی ماں اس عمل سے خوش ہو رہی ہے (۷) خوفزدہ (۸) عمدہ جوڑا۔

دن نصیب نہ ہوتا بلکہ قبر میں پہنچ چکا تھا۔

مصائب وتکالیف کی تمثیل

اب خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارا جو برتاؤ ہے اس کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ معاذ اللہ ہم لوگوں کا بھی خدا کے ساتھ اُس احمق لڑکے کا سا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ ہمیں بلاوجہ بلاضرورت خواہ مخواہ تکلیف دی اس تکلیف میں ہماری کوئی منفعت نہیں تھی۔ حالانکہ یہ بھی اپریشن ہی ہے والدین بچے کے دنبل کا اپریشن کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قلوب(۱) کا اپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی ہے اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑجاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتر سے دلوں کا خراب مادہ نکالا(۲) جاتا اور ان کی اصلاح کی جاتی ہے پس یہاں بھی بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے فرق اتنا ہے کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد صحت ہوجاتی ہے اور یہاں بعید ہے(۳) کہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا جبکہ مصائب کا ثواب ملے گا مگر قیامت کو ہم لوگ دور سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ بہت ہی قریب ہے ﴿اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم نزدیک سمجھتے ہیں۔

قیامت کے قریب ہونے کی مثال

تو آپ چاہے اس کو بعید ہی سمجھئے مگر خدا کے نزدیک تو قریب ہے اور اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک چیز آپ کے نزدیک دور ہو اور خدا کے نزدیک قریب ہو دیکھئے چیونٹی کے نزدیک ایک فرلانگ اتنا دور ہے جتنا آپ کے نزدیک

(۱) دلوں کا (۲) مصیبتوں کی چیریوں سے دل سے خراب مادہ یعنی گناہ کو دور کیا جاتا ہے (۳) دور۔

یہاں سے امریکہ اور آپ کے نزدیک ایک فرلانگ بہت ہی قریب ہے اسی طرح خدا کے نزدیک وہ میعاد بہت قریب ہے، اور اگر اس مثال کے بعد کسی کی سمجھ میں قیامت کا قرب نہ آئے تو وہ یوں سمجھ لے کہ قیامت کبریٰ(۱) گو دور سہی مگر قیامت صغریٰ(۲) یعنی موت تو قریب ہے کیونکہ زندگی کا ایک لمحہ کے لئے بھی بھروسہ نہیں کوئی آج مرا تو بس اسی وقت سے سزا و جزا کا سلسلہ شروع ہو جائیگا اس کے لئے تو قیامت آ گئی قیامت کبریٰ ہی میں کیا ہوگا۔ یہی سزا و جزا تو ہوگی پس قیامت کے دن اسی سزا و جزا میں ذرا وسعت ہو جائیگی۔

اشکال کا جواب

یہاں سے ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ یہ جو بددین لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر آواگون (تناسخ) نہ ہو تو یہ اشکال لازم آتا ہے کہ مجرم نے جرم تو کیا اب اور سزا ملے گی ہزاروں برس کے بعد تو اول تو اس تقریر کے بعد یہ اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ موت بھی قیامت کا مقدمہ ہے سزا و جزا کا سلسلہ اس کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور اگر مان لیا جائے کہ جزا و سزا ہزاروں برس کے بعد ہوگی تو کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ باوجود جرم ثابت ہو جانے کے پھر بھی مجرم کو مہلت دی جاتی ہے ہم تو برابر ایسے واقعات دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ ایک شخص نے آج قتل کیا اور چار ماہ بلکہ چار سال کے بعد پھانسی ہوئی اور اس تاخیر کی وجہ صرف عدم ثبوت جرم نہیں بلکہ ثبوت جرم کے بعد بھی مہلت دی جاتی ہے ثبوت کے بعد بھی اپیل اور پیروی کی اجازت دیجاتی ہے جب دنیا کے حکام ایسا کرتے ہیں اور انکا یہ فعل بہ نظر استحسان(۳) دیکھا جاتا ہے تو خدا کے یہاں ایسا ہونے میں کیوں تعجب ہوتا ہے۔

(۱) بڑی قیامت جب ساری دنیا ختم ہو جائیگی (۲) چھوٹی قیامت (۳) ان کا یہ کام اچھا سمجھا جاتا ہے۔

مرتے ہی سزا و جزا

ہاں جرم موجب سزا کی پاداش میں سزا یا اچھے کام کے صلہ میں جزا نہ ملنا(۱) البتہ موجب اشکال اور اعتراض کے قابل ہے (جس کا وہاں وہم بھی نہیں ہوسکتا) لیکن سزا و جزا کی تاخیر میں عقلاً وعادۃً کوئی اشکال یا اعتراض نہیں ہوسکتا الغرض مرنے کے بعد ہی سلسلۂ جزاوسزا شروع ہوجاتا ہے اور یہ برزخ(۲) کی لذت یا کلفت بھی کامل ہوتی ہے گو قیامت کی لذت وکلفت(۳) سے کم ہو تو قیامت کی لذت وکلفت اکمل ہوگی۔ کیونکہ سزا و جزا میں ترقی قیامت ہی کو ہوگی پس آخرت کو دور نہ سمجھو کیونکہ موت ہی آخرت کا پیش خیمہ ہے اور اگر موت بھی کسی کو دور معلوم ہوتی ہو تو میں ترقی کرکے یہ کہتا ہوں کہ موت سے بھی پہلے اعمال کی لذت یا کلفت حاصل ہوجاتی ہے۔

فرحت وکلفت کا عدم احساس

مگر اس دعوے کے سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے۔ مقدمہ یہ ہے کہ یہ تو ساری دنیا کو مسلم ہے کہ نیم کی پتی تلخ ہوتی ہے(۴) اور مٹھائی شیریں لیکن اگر نیم کی پتی مارگزیدہ(۵) کو کھلائیے اور اُس سے پوچھیئے کہ مزہ کیسا ہے وہ کہیگا میٹھی ہے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ مارگزیدہ کو زہر کے اثر سے نیم کی پتی میٹھی معلوم ہوتی ہے اگر کسی کو سانپ کے کاٹنے کا شبہ ہوگیا ہو تو نیم کی پتی چبا کر دیکھئے اگر میٹھی معلوم ہو تو شبہ صحیح ہے اور اگر کڑوی معلوم ہو تو شبہ غلط تو کیا اس کے میٹھا کہنے سے تلخی کا عام حکم ہوگیا ہرگز نہیں وہ حکم تو صحیح ہے مگر اس کی قوت مدرکہ(۶)

---

(۱) جرم پر سزا اور نیکی پر جزاء نہ ملے یہ نہیں ہوسکتا (۲) قبر کی تکلیف (۳) مزہ اور تکلیف (۴) کڑوی (۵) سانپ کے کاٹے ہوئے کو (۶) احساس کی قوت۔

سانپ کے زہر سے خراب ہوگئی ہے اس لئے یہی کہا جائیگا کہ اس کا ذائقہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی پر صفرا(۱) غالب ہو تو اس کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوگی یہاں بھی مٹھائی کی شیرینی کا عام حکم صحیح ہے مگر غلبہ صفرا کی وجہ سے اس کے ذائقہ کی غلطی ہے کہ ایک شئے کے مزہ کا، واقع کے خلاف ادراک کررہا ہے (۲)۔ الغرض ذوق صحیح ہو تو یقیناً نیم کی پتی کڑوی اور مٹھائی شیریں معلوم ہوگی۔ اب میں دعویٰ کرتا ہوں اور بقسم کہتا ہوں کہ کوئی طاعت فوراً جزا سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح کوئی معصیت فوراً سزا سے خالی نہیں ہوتی مگر اس کے لئے ذوق کے صحیح ہونے کی ضرورت ہے اہل ذوق کو اطاعت سے اس قدر انبساط اور فرح ہوتا ہے جیسا انبساط قریب قریب جنت میں ہوگا (۳) اور اس وقت دنیا کی سلطنت کی بھی ان کی نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی مگر ہمیں یہ انبساط اور فرح کیسے ہو ہم کو تو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے جس سے مذاق ہی بگڑ گیا ہے ہم بھی صحیح ذوق پیدا کرلیں تو اس کی لذت محسوس ہو اسی طرح معصیت سے قلب میں اس قدر تنگی اور پریشانی ہوتی ہے کہ سر پر ہزاروں تلواریں پڑیں تب بھی ایسی کلفت نہ ہو۔

ارتکاب گناہ پر سالکین کا حال

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں:

بر دل سالک ہزاران غم بود گر زباغ دل خلالے کم بود (۴)

یہ تو اُس کلفت کا بیان تھا جو معصیت وغفلت کی وجہ سے قلبی کیفیت کے گھٹنے سے پیدا ہوتی ہے اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کا نور کم ہوگیا دل سیاہ ہوگیا ہے۔

(۱) منہ کڑوا ہورہا ہو (۲) منہ کڑوا ہونے کی وجہ سے میٹھی چیز کڑوی معلوم ہورہی ہے (۳) نیکی کرنے سے ایسی خوشی ہوتی یہ جیسی جنت میں ہوگی (۴) سالکین پر ہزاروں غم پڑ جاتے ہیں اگر ان کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے۔

نیکی کی لذت

اور طاعت کی لذت کو ایک عارف کہتے ہیں ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازآنکہ چتر شاہی ہمہ روز ہاروہوئے (۱)

یعنی ایک ساعت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اطمینان سے توجہ میسر ہو جائے تو اس کے آگے سلطنت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اسی کو خاقانی یوں کہتے ہیں ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی (۲)

تو یہ مت سمجھو کہ طاعت کی لذت آخرت ہی میں ملتی ہے آخر اہل اللہ جو ساری دنیا کو چھوڑ کے خوش خوش اور مگن پھرتے ہیں تو کیا یہ سب پاگل ہو گئے ہیں کہ ملتا ملاتا کچھ نہیں اور خواہ مخواہ خوش ہیں۔

اہل اللہ کے استغنیٰ کی وجہ

صاحبو! جس کے پاس کچھ دولت نہ ہو وہ اتنا خوش نہیں رہ سکتا بلکہ دنیوی دولت والے بھی ان کے برابر خوش نہیں ہو سکتے اگر کہو کہ یہ خوشی نری بناوٹ ہے تو اول تو بناوٹ کب تک بناوٹ چھپ نہیں سکتی۔ پھر یہ بناوٹ کس فائدہ کے لئے دوسرے وہ خوشی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ بناوٹ سے لاکھ خوشی پیدا کیجئے کبھی وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت! جو مستی شراب میں ہے وہ بناوٹ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ شراب نہ پینے والا لاکھ جھومے وہ بات نہیں پیدا کر سکتا۔ شراب پینے والے کی طرح

(۱) اللہ کے ساتھ ایک لمحہ کی اطمینان سے توجہ میسر آنا بادشاہی ملنے سے بہتر ہے (۲) خاقانی کو تیس سال محنت کرنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ اللہ کے ساتھ ایک لمحہ کی مشغولی حضرت سلیمان جیسی بادشاہت ملنے سے بھی بہتر ہے۔

وہ بیخود نہیں بن سکتا اس کی بناوٹ فوراً ظاہر ہو جاتی ہے پس سمجھ لو کہ اہل اللہ کا یہ استغناء ان کی یہ آزادی اور یہ بے پروائی کہ نہ امیر کی پروا ہے نہ وزیر کی، بناوٹ سے نہیں ہو سکتی اہل اللہ کے استغناء کے واقعات بہت زیادہ ہیں ایک واقعہ مجھے اس وقت بھی یاد آ گیا کہ جہانگیر بادشاہ ایک مرتبہ حضرت سلیم چشتی کی زیارت کو آئے حضرت سلیم اپنی گڈری کی جوئیں دیکھنے کے لئے خادم کے سپرد کر کے اُسی وقت حجرے میں تشریف لے گئے تھے خادم نے جو شاہی تزک واحتشام دیکھا گھبرا گیا اور گھبرا کر شیخ کو پکارا کہ حضرت حضرت ذرا باہر آیئے شیخ باہر تشریف لائیے پوچھا کیوں کیا ہے؟ کہا بادشاہ سلامت آرہے ہیں۔ فرمایا کیا کروں اگر آرہے ہیں کوئی میں نے ان کی دعوت کی تھی وہ تو اپنی خوشی سے آرہے ہیں آنے دے میں تو تیری اس گھبراہٹ کی آواز سے یہ سمجھا تھا کہ کوئی بڑی سی جوں نکل آئی ہے اُس کے دکھانے کو بلا رہا ہے اس لئے باہر آ گیا بادشاہ کے لئے تو نے خواہ مخواہ مجھے پکارا اللہ اکبر ان حضرت کی نگاہ میں جہانگیر کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی ایک جوں کی ہے صاحبو! کیا یہ استغناء اور یہ آزادی یوں ہی خالی خولی تھی یہ تو ناممکن ہے اور اگر خالی ہی تھی تو کوئی اور تو کر کے دکھلا دے۔

اہل اللہ کو حاصل شدہ دولت

شاید اب کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر خالی خولی استغنا نہ تھا تو پھر کس وجہ سے تھا ان کے پاس کونسی دولت تھی جس نے بادشاہوں سے بھی ان کو بے پروا کر دیا تھا تو سن لیجئے کہ ان کے پاس تعلق مع اللہ اور توحید کامل کی دولت تھی جس کی بابت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ شمسیر ہندی نہی برسرش

امید وہر اسش نباشد زکس بریں است بنیاد توحید و بس (۱)

ان کے دل میں سوائے حق تعالیٰ کے نہ کسی کی عظمت تھی نہ خوف نہ منفعت کی امید تھی نہ مضرت کا اندیشہ ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ۔

نہ براشتر برسوارم نہ چواشتر زیر بارم نہ خداوند رغبت نہ غلام شہریارم (۲)

انہیں کسی کا بھی خوف نہیں ہوتا سوائے خدا کے کیونکہ سب سے بڑی بلا موت سمجھی جاتی ہے اسی کے خوف سے ذرا ذرا سی بات میں احتیاط کی جاتی ہے تاکہ حیات نہ جاتی رہے مگر وہ اسے بھی ہنسی دل لگی سمجھتے ہیں بلکہ اس کے آنے کی منتیں مانتے ہیں اور یہاں ہماری یہ حالت ہے کہ موت سے بچنے کے لئے منتیں مانتے ہیں کہ اب کی نمونیا سے بچ گیا تو بس بزرگوں کا نمونہ ہی بن جاؤں گا مگر وہاں مرنے کی تمنا ہے چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ۔

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بردم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شادان وغزلخواں بردم (۳)

یعنی مرجائینگے تو شاداں شاداں خوش خوش میکدہ میں جائیں گے یعنی جنت میں کیونکہ وہاں شراب بہت ہے اور حلال بھی ہے۔

---

(۱) موحد کے سر پر اگر تلوار بھی رکھدی جائے تو اس کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے کیونکہ وہ نہ کسی سے امید رکھتا ہے نہ خوفزدہ ہوتا ہے توحید کی بنیاد یہی ہے (۲) نہ وہ بڑے لوگوں کی طرح اونٹوں پر سوار ہونے کے خواہش مند ہیں کہ بلند مرتبے چاہتے ہوں۔ نہ اونٹوں کی طرح بوجھ لادے جانے سے ڈرتے ہیں نہ ان کو بادشاہ بننے کی خواہش ، نہ غلام بننے کا خوف (۳) آج کتنا مبارک دن ہے کہ میں منزل (جنت) کی طرف جارہا ہوں میرے محبوب نے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے مجھے بلایا ہے میں اپنے محبوب سے ملنے جارہا ہوں سب نے منت مانی تھی کہ جب یہ مبارک دن آئے گا تو میکدہ (یعنی جنت) تک غزل گاتا ہوا جاؤں گا۔

موت کے وقت مؤمن کی خوشی

اور اہل اللہ کی تو بات ہی کیا ہے وہ تو موت سے خوش ہوتے ہی ہیں حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہر مسلمان خوش ہوتا ہے کیونکہ دنیا کی جیل خانہ سے رہائی پا جاتا ہے ایک اور بزرگ مرتے وقت فرماتے تھے۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم(۱)

یعنی اب وقت آ گیا کہ یہ قفس ٹوٹیگا اور مشاہدہ جمال الٰہی سے مشرف ہوں گے غزل خوانی سے مراد ذکر اللہ ہے مومن مرنے کے بعد بھی ذاکر رہتا ہے بلکہ اس وقت ذکر اور بڑھ جائیگا کیونکہ یہاں تو تعلقات میں غفلت بھی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد تو تیرا ذکر اللہ ہی غذا ہوگا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر اللہ سے محبت

ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے انتقال کے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب سے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کیا جائے انہوں نے کہا کہ حضرت یہ تو نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک نئی بات ہے جس کو فقہاء نے اس خیال سے کہ عوام سنت نہ سمجھ لیں پسند نہیں کیا۔ فرمایا بہت اچھا جو مرضی ہو خیر بات آئی گئی ہوئی اور کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ خلوت میں گفتگو ہوئی تھی مگر جب جنازہ اُٹھا تو ایک عرب کی زبان سے نکلا اذکروا اللہ(۲) بس پھر کیا تھا بے ساختہ سب لوگ ذکر کرنے لگے اور لا الٰہ الا اللہ کی صدائیں برابر

(۱) وہ وقت مبارک آ گیا ہے کہ جب میں نے جسم کا لباس اتار دیا ہے اور سراپا روح بنکر اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گا (۲) اللہ کا ذکر کرو۔

قبرستان تک بلند رہیں۔ بعد میں مولوی اسمٰعیل صاحب اس گفتگو کو نقل کر کے کہتے تھے کہ ہم نے حضرت کو تو منوا دیا مگر اللہ تعالیٰ کو کیونکر منوائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی تمنا پوری کر دی سچ ہے۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　میدہد یزداں مراد متقین(۱)

اللہ تعالیٰ متقین کی مراد پوری کرتا ہے انہیں اللہ کا نام سننے سے زندگی میں بھی لذت آتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اور موت کے بعد غفلت کا کوئی سبب نہیں تو پھر غافل کیونکر ہو سکتے ہیں الغرض یہ معنی ہیں۔

ع　　تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بردم

کے ان کی شان ذکر اللہ اور خدا کی محبت ہے اور مرنے کے بعد وہ خدا کی رحمت و محبت کا پوری طرح مشاہدہ کریں گے تو ان کے ذکر و محبت میں ترقی ہوگی۔

الغرض جب ایسا ذوق صحیح ہو تو ہر چیز کا اثر فوراً محسوس ہوگا طاعت میں شگفتگی اور معصیت میں قلق ہوگا بلکہ خلاف اولیٰ میں بھی۔

اہل اللہ کی پریشانی

چنانچہ ایک بزرگ کسی کے یہاں تشریف لے گئے دروازہ پر پہنچ کر پکارا اندر سے جواب آیا کہ نہیں ہیں پوچھا کہاں ہیں جواب ملا خبر نہیں تو یہ بزرگ صرف اتنی بات پر تیس برس(۲) تک روتے رہے کہ میں نے ایسا فضول سوال کیوں کیا کہ کہاں ہیں میرے نامہ اعمال میں ایک فضول بات درج ہوگئی حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾(۳) اب اندازہ کیجئے کہ جس کو ایک لغو بات سے اس قدر تکلیف ہوئی اس کو گناہ کی کلفت کا کس درجہ احساس ہوگا۔

---

(۱) تم کچھ چاہتے ہو اور اللہ اسکے خلاف چاہتا ہے وہ متقی لوگوں کی خواہشات پورا کر دیتا ہے (۲) سال (۳) وہ لوگ بیکار باتوں سے احتراز کرتے ہیں۔

صاحبو! گناہ تو گناہ وہ ان مباحات سے بھی پرہیز کرتے ہیں جن میں معتد بہ نفع نہ ہو(۱) اور کیوں نہ کریں حدیث شریف میں ہے (من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ) یعنی بیکار باتوں کا چھوڑنا آدمی کے حسن اسلام سے ہے حضور نے کیا اچھا قاعدہ بتادیا کہ وہ کام ہی نہ کرے جسمیں فائدہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے وہ بزرگ اس پر روئے کہ میں نے کیوں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اللہ اکبر جس کو اتنی سی بات سے اتنا قلق ہو کہ تیس برس گریہ وزاری میں (۲) کاٹے اُسے گناہ سے کس قدر صدمہ ہوگا بہرحال اعمال کی سزا و جزا دنیا میں بھی فوراً مل جاتی ہے لیکن اگر کسی کا ذوق صحیح نہ ہو تو وہ یہی سمجھ لے کہ آخرت میں تو ضرور ہی ہوگی اور اس تاخیر میں کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں آخر اس میں کیا حرج ہے کہ قتل اب کیا پھانسی چھ ماہ یا چند سال بعد ہوئی یا ایک نے بی اے (اور سول سروس) اب پاس کیا اور چھ ماہ کے بعد ڈپٹی ہوا۔

جزاء وسزا میں تاخیر کی حکمتیں

سزا وجزا کی تاخیر سے دنیا میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا پھر اگر خدا تعالیٰ کے یہاں بھی ایسا ہوا تو کیا جرح ہے خدا کے یہاں آپ یہ چاہتے ہیں کہ چٹ روٹی پٹ دال تو خوب سمجھ لو کہ ایسے مہمل اعتراض سے خدا تعالیٰ کے اصول نہیں بدلتے ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (۳) اور کفار کے بارے میں اس تاخیر کی حکمت وہ خود ارشاد فرماتے ہیں: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۖ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ کہ ہم کفار کو ڈھیل دے کر بے خبری میں پکڑنا چاہتے ہیں ۔

(۱) وہ ان جائز کاموں سے بھی بچتے ہیں جن میں کوئی قابل قدر فائدہ نہ ہو (۲) اتنا رنج ہو کہ تیس سال تک اس پر روتا رہے (۳) اللہ کا طریقہ تبدیل ہونے والا نہیں ہے۔

نمی ترسد ازاں کایزد تعالیٰ　　　اگرچہ دیر گیرد سخت گیرد(۱)

اور فرماتے ہیں ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ کہ ہم قیامت کے دن کو بعض مصلحتوں کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں مگر اس کا آنا یقینی ہے اس وقت ہر شخص کو سزا جزا ملے گی۔

مصیبت زدہ پر انعامات

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہل بلا(۲) کو قیامت میں ان کی تکلیف اور مصیبت پر اتنا اجر ملے گا کہ اہلِ تنعم (۳) تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال مقراضوں (۴) سے کاٹی جاتی تا کہ آج مصائب کا اجر (۵) حاصل کرتے اس سے معلوم ہوا کہ ہر کلفت میں منفعت (۶) بھی ہے مگر جو لوگ ناواقف ہیں وہ اس کو مضرت محضہ (۷) سمجھ کر بگڑنے لگتے ہیں۔

بیماری اور مصائب میں لوگوں کا طرزِ عمل

بلکہ بعض تو حد سے بڑھ جاتے ہیں چنانچہ ایک جاہل نے رمضان میں روزہ رکھا اتفاق سے اُسی دن اس کی بھینس مرگئی یہ کھیت پر کام کر رہا تھا بیٹے نے جا کر خبر دی تو سنتے ہی آپ کو بہت غصہ آیا اور فوراً لوٹا اٹھا کر پانی پی لیا اور کہا لے اور رکھوا لے روزہ۔ معاذ اللہ خدا کے ساتھ یہ برتاؤ۔

خیر وہ شخص تو بد تہذیب تھا زیادہ افسوس تو ان کے حال پر ہے جو تہذیب کے پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتے ہیں۔ صاحبو! اگر انہیں پیرایوں میں کوئی

(۱) مجھے تو اسی بات کا خوف ہے کہ اللہ کی گرفت اگرچہ دیر سے ہو لیکن سخت ہوتی ہے (۲) مصیبت میں مبتلاء لوگوں کو (۳) دنیا میں جو لوگ راحت و آرام میں رہے ہوں گے (۴) قینچیوں سے (۵) تا کہ ان مشکلات کا اجر و ثواب پاسکتے (۶) ہر پریشانی میں فائدہ (۷) صرف مصیبت سمجھنے کی وجہ سے ناراض ہوتے ہیں۔

آپ کی شکایت کرے تو کیا آپ کو ناگوار نہ ہوگا۔

اخباری خبروں کا حال

چنانچہ ایسے پیرائے اخباروں میں بھی اختیار کئے جاتے ہیں مثلاً اموات کا عدد بیان کرنا کہ آج اتنے آدمی مر گئے اس سے بجز خدا تعالیٰ کی شکایت اور اعتراض اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کو پریشان کرنے کے اور کچھ ہی غرض نہیں ہوسکتی اگر کوئی غرض ہوتی تو اسکو بیان بھی کیا جاتا مگر آجکل اس سے بیحد دلچسپی ہے اور یہ اخباری مذاق کہلاتا ہے اس زمانہ میں یہ مذاق عموماً غالب ہوگیا ہے مگر نہایت ہی لغو ہے ان اخبار والوں کی یہ حالت ہے کہ عوام میں جن مضامین سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اُن ہی کو شائع کرتے ہیں خواہ کوئی نفع ہو یا نہ ہو بلکہ خواہ ضرر ہی (۱) ہو۔ خیر یہ بیچارے تو معذور ہیں کیونکہ اصل میں یہ لوگ تاجر ہیں انہیں تو اپنا پیٹ بھرنا مقصود ہے انہوں نے دیکھا کہ آجکل طاعون بہت ہے لوگوں کو اس کی خبروں کا انتظار ہے ان کے چھاپنے سے اخبار خوب نکلے گا وہی چھاپنے لگے انہیں اس سے کچھ بھی غرض نہیں کہ اس سے خدائی شکایت ہوتی ہے یا لوگوں کی پریشانی بڑھتی ہے جس چیز کا چرچا زیادہ دیکھتے ہیں اُسی کے متعلق مضامین بھی لکھتے ہیں اگر دینداری کا چرچا غالب ہوجائے تو دینداری کے مضامین لکھنے لگے ہیں کفر کا مذاق بڑھ جائے تو کفر کے مضامین لکھنے لگتے ہیں انہیں تو اپنی تجارت سے غرض ہے مردہ چاہے دوزخ میں جائے یا بہشت میں (۲) یاروں کو اپنے حلوے مانڈے سے کام انہوں نے دیکھا کہ لوگ طاعون کی خبروں کے منتظر ہیں اور کچھ نہیں تو یہی چھاپنا شروع کردیا کہ طاعون میں اتنے مبتلا ہوئے اور اتنے فوت ہوئے۔ کہو اس سے کیا نفع؟

---

(۱) چاہے نقصان ہی ہو (۲) جنت۔

خبر کا مقصود

اور عام لوگوں کا بھی آجکل عجیب مذاق ہوگیا ہے کہ محض خبر ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں حالانکہ اصل یہ ہے کہ خبر کی غایت ہمیشہ انشاء ہوتی ہے (۱) اور جس کی غایت انشاء نہ ہو وہ محض فضول ہے (۲) وجہ فضول ہونے کی یہ ہے خبر کا نفع انشاء تھا اور اُس سے یہ خالی ہے غرض یہ کلیہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خبر خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی غایت انشاء ہوتی ہے مثلاً ایک شخص حکیم صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے بخار ہے تو مقصود اُس کا اس خبر سے جملہ انشائیہ ہے یعنی مجھے نسخہ لکھ دیجئے یاد وا دیجئے یا مثلاً ایک جاسوس حاکم کو خبر دیتا ہے کہ سرحد تک غنیم (۳) آگیا مقصود اس سے بھی جملہ انشائیہ ہے کہ مدافعت (۴) کا انتظام کیجئے یا مثلاً ایک خفیہ پولیس نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ فلاں شخص باغی ہے اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ انسداد بغاوت کا انتظام کیجئے یا ایک نوکر نے آقا کو خبر دی کہ مکان کا قفل (۵) ٹوٹا ہوا ہے اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ چوری کا تدارک کیجئے یا ایک بزرگ کے پاس کسی نے آکر عرض کیا کہ میرے اوپر مقدمہ قائم ہوگیا ہے اس کا بھی مقصود ہے کہ دعا کیجئے الغرض بیشمار مثالیں ہیں کہاں تک عرض کروں اسی طرح شرعی اخبار میں قاعدہ ہے مثلاً قل ھو اللّٰہ احد جملہ خبریہ ہے مقصود اس سے یہ ہے کہ اسکا اعتقاد رکھو۔ یا مثلاً ﴿ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ ﴾ (۶) یہ جملے خبریہ ہیں ان کا مقصود وہی جملہ انشائیہ ہے جو اس کے متصل مذکور ہے یعنی ﴿ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (۷) بس اس قاعدہ پر غور کر لیجئے اور جس خبر میں انشاء نہ ہو سمجھ لیجئے

(۱) خبر کا مقصد کسی کے کرنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے (۲) جس خبر کا مقصد انشاء (عمل کی ترغیب) نہ ہو وہ بیکار ہے (۳) دشمن (۴) اس کی روک تھام کیجئے (۵) تالہ (۶) ہمیں وہی مصیبت پہنچنے کی جو ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہوگی وہی ہے ہمارا مولا (۷) مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔

کہ محض عبث ہے(۱)۔

اخباری خبروں کا مقصد

اب میں پوچھتا ہوں کہ ان خبروں سے کہ کلکتہ میں آج ایک ہزار مرے اور کل بمبئی میں ڈیڑھ ہزار مرے کیا مطلب ہے؟ ارے بھئی مرے تو ہم کیا کریں؟ اس کا کچھ بھی جواب نہیں تو یہ خبر چھاپنا یا اس کا تذکرہ کرنا فضول ہی ہے اور اگر کوئی غرض ہے تو بتائیے اگر کسی نے بہت سوچ سانچ کر یہ کہہ دیا کہ مقصود یہ ہے کہ دعا کیجئے۔ تو یہ اس موقع پر ان خبروں کی غایت نہیں کہی جاسکتی غایت تو وہ ہے جو پہلے سے متکلم کے ذہن میں ہو یہ کیا جب جرح قدح کی گئی تو سوچ سانچ کر کہہ دیا دعا کیجئے اگر یہ غایت تھی تو کبھی کسی وقت تو زبان پر آئی ہوتی۔ غرض یہ سب باتیں محض نکات بعد الوقوع ہیں(۲) ورنہ دراصل یہاں کوئی بھی غایت نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ عقلاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور بلا تصور غایت نہیں ہوسکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غایت تو یہاں بھی ہے مگر معتد بہا نہیں۔ یہاں اخبار والوں کی غایت تو محض تجارت ہے کہ اخبار خوب بکے گا۔

اور اخبار دیکھنے والوں کی غایت محض تذکرہ اور مشغلہ تفریح اور تبادلہ خیالات ہے کہ تم ہم سے اپنا حال کہو اور ہم تم سے کہیں پھر دونوں مل کر ماتم کریں مگر فائدہ کیا ہے کچھ نہیں شاید کوئی سمجھے کہ ان کو مسلمانوں سے کچھ ہمدردی ہے سو یہ بھی نہیں اگر ہمدردی ہوتی تو ایک دُکان دوا کی غریبوں کے لئے کھلواتے مگر یہ کبھی نہیں ہوتا صرف چرچا ہی مقصود ہے خیر اگر ان میں کوئی ضرر نہ ہوتا(۳) تب بھی اس قدر روک ٹوک نہ کی جاتی۔

---

(۱) بیکار (۲) کسی چیز کے واقع ہونے کے بعد اس کے نکات بیان کرنا (۳) نقصان۔

بے تکی خبروں کا نقصان

مگر اس میں تو دین کا بھی ضرر ہے اور دنیا کی بھی مضرتیں ہیں کیونکہ بہت سے آدمی محض خبریں ہی سننے سے ڈر کر مر گئے ہم نے ایسے واقعات آنکھ سے دیکھے ہیں بالخصوص عورتوں کے دل تو بہت ہی کمزور ہوتے ہیں ان پر ایسی خبروں کا زیادہ اثر ہوتا ہے وہ پردہ دار ہیں خود تو شہر کی حالت سے آگاہ نہیں ہوسکتیں ان کے پاس یہ باہر کی نکلنے والیاں خبریں لاتی ہیں کہ بیوی آج شہر میں یہ ہو رہا ہے کل وہ ہو رہا تھا آج اتنے مر گئے کل اتنے مرے تھے اور بیوی صاحب ہیں کہ گھر کا دھندا چھوڑ کے ان خبروں کے سننے میں منہمک ہیں اگر باہر سے آنے والیاں کبھی کوئی بات بیان نہ کریں تو یہ خود تقاضا کرتی ہیں کہ کہو اب شہر میں کیا حالت ہے اس پر وہ بھی بیوی صاحب کو خوش کرنے کو اگر کچھ بھی نہ ہو تب بھی کچھ نہ کچھ یا کچھ ہوتا ہے تو مبالغہ کے ساتھ بیان کر دیتی ہیں اب یہ ہول (۱) اور دہشت سے پریشان ہوتی ہیں اور اکثر بیمار بھی ہو جاتی ہیں چنانچہ ایسا ہی ایک واقعہ میرے یہاں آج کل ہوا کہ ایک بیوی پہلے ہول سے بیمار پڑیں اس کے بعد اُسی میں انتقال ہوگیا۔ ایک جگہ طاعون کے زمانہ میں ایک حاملہ کو خبریں سن سن کر بہت ڈر لگتا تھا کیونکہ بیماری شہر میں بڑی شدت سے تھی مردوں نے مصلحت پر نظر کر کے انہیں یہ سمجھا دیا کہ بیماری اب نہیں ہے اور شہر میں سکون ہے کہ ایک دن شام کو ایک دم بہت سی آذانوں کی آواز جوان کے کان میں پڑی جس کو طاعون کے رفع کے لئے ایجاد کیا ہے (۲) تو پھر ہول بڑھا اور یہ سمجھی کہ شہر میں ابھی تک بیماری ہے جب ہی اتنی اذانیں ہو رہی

(۱) خوف وگھبراہٹ (۲) جب شہر میں ہر گھر سے اذان کی آواز سنی جو لوگوں نے اس مقصد کے لئے دی کہ شہر میں طاعون پھیلا ہوا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ شرعاً اس مقصد کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔

ہیں بس اسی ہول میں اسقاط ہوگیا بعض جگہ وباء کے زمانہ میں بہت سی اذانوں کا رواج ہوگیا ہے حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ایسی بے اصل تدبیروں سے بجائے نفع کے ضرر ہوتا ہے چنانچہ دیکھئے اسی سے اُس عورت کا حمل ساقط ہوگیا(۱)۔

تجویز کردہ علاج کا نقصان

حضرت اصل تدبیر وہ ہے جو شریعت نے تعلیم دی ہے کہ گناہوں سے بچو توبہ استغفار کرو اور نیک کاموں کی پابندی کرو فرائض و واجبات میں کوتاہی نہ کرو حقوق ادا کرو مگر لوگوں سے یہ کام تو ہوتے نہیں کیونکہ اس میں نفس کے خلاف کچھ کرنا پڑتا ہے انہوں نے اذانیں دینا یا چندہ کرکے دیگ پکانا سیکھ لیا ہے کیونکہ اس میں مشقت زیادہ نہیں بلکہ اس میں ایک گونہ حظ نفس ہے (۲) بس یہ علاج وبا کا ایسا ہے جس کے متعلق مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہرچہ کردند از علاج وازدوا   رنج افزوں گشت وحاجت ناروا
بیخبر بودند از حال دروں   استعیذ اللہ مما یفتروں
گفت ہر دارو کہ ایشان کردہ اند   آں عمارت نیست ویراں کردہ اند (۳)

اس علاج سے مرض نہیں جاتا اور بیماری کا تذکرہ کرنا اموات کی شمار معلوم کرنا اور گھروں میں اس کا چرچا کرنا یہ تو کسی درجہ میں بھی علاج نہیں بلکہ اس سے تو اور مرض کو ترقی ہوتی ہے لوگوں کے دل کمزور ہوتے ہیں یہ تو دنیوی مضرت کا بیان تھا۔

(۱) حمل گر گیا (۲) دل خوش ہوتا ہے (۳) ہر قسم کی دواء و علاج کرکے دیکھ لیا رنج بڑھتا گیا اور ضرورت پوری نہ ہوئی اس کے اصل علاج سے ناواقف ہے جس قسم کا علاج کر رہا ہے اس سے اللہ کی پناہ چاہئے کہتا ہے ہر دواء جو بطور علاج استعمال کی گئی اس نے اس عمارت یعنی جسم کو مزید خراب ہی کیا۔

خبروں کے تذکرہ میں دینی نقصان

اور اس میں دین کا بھی ضرر ہے جس کے سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ سمجھنے کی ضرورت ہے پہلے یہ سوچو کہ یہ سب کرتا کون ہے یعنی یہ مصیبت کون ڈالتا ہے ظاہر ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے وبا اور بیماری کا اللہ کے حکم سے آنا سب کو معلوم ہے قتل وغیرہ میں تو گو جان اس کی خدا ہی نے لی مگر اس میں بظاہر ایک بندہ کا دخل ہوگیا اس لئے وہ بندہ کا فعل کہلاتا ہے اور تمام تر شکایات اُسی کی طرف عائد ہوتی ہیں(۱) لیکن وبا اور بیماری سے جو کوئی مرتا ہے تو اس میں براہ راست خدا کا فعل سمجھا جاتا ہے اس میں جس قدر شکایت یا ناگواری ہوگی تو چونکہ یہ افعال بلاواسطہ خدا کے ہیں اس لئے وہ شکایت درحقیقت خدا کی ہوگی۔ ایک مثال سے اس کو سمجھئے مثلاً ایک حاکم کے یہاں مقدمہ پیش ہوا اس نے روئداد(۲) پر نظر کر کے ایک کو مظلوم سمجھا اور دوسرے کو ظالم سمجھ کر حکم دے دیا کہ اسے پھانسی دے دو چنانچہ اس کو پھانسی ہوگئی اب ایک شخص کہتا ہے کہ ہائے فلاں شخص کو پھانسی دے دی گئی افسوس بڑے صدمہ کی بات ہے بہت ہی بیجا واقعہ ہوا اب یہ شکایت کسی کی ہے یقیناً اس جج کی ہے جس نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان حضرت کی یہ مجال نہیں ہوسکتی کہ جج کے اجلاس پر افسوس ظاہر کریں اور اس قسم کا ایک لفظ بھی کہیں گو پیچھے جو کچھ چاہیں کہہ لیں کیونکہ اُسے خبر نہیں اسی طرح ایک شخص کے بیٹے پر مقدمہ قائم ہوگیا۔ حاکم کے اجلاس پر باپ بھی پیروی کے لئے حاضر ہوا آخر میں حاکم نے سزا کا حکم سنادیا اور اس کو باپ کے سامنے ہتکڑیاں پہنا کر جیل بھیج دیا گیا گو باپ کو یہ فیصلہ بے انتہا ناگوار ہوگا مگر یہ مجال نہیں کہ اجلاس پر کچھ بھی منہ سے

(۱) لوٹتی ہے (۲) تمام۔

کہہ سکیں۔ تعجب ہے کہ ایک حاکم پر تو اعتراض کرنے کی بلکہ ایہام اعتراض (۱) کی بھی کسی کو جرأت نہیں ہوتی مگر خدا تعالیٰ پر اعتراض کرنے کے لئے ہمت ہوتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہم تو خدا پر اعتراض نہیں کرتے صرف بیماری کا تذکرہ ہی کرتے ہیں تو حضرت ذرا اُن الفاظ کو دیکھئے جو اس تذکرہ میں استعمال کئے جاتے ہیں پھر ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولے کہ ان الفاظ کو منہ سے نکالتے ہوئے واقعات حادثہ کے متعلق شکایت ہوتی ہے یا نہیں؟

خدا پر اعتراضات

چنانچہ سنئے آج کل ان وبائی امراض کے متعلق اس قسم کے کلمات استعمال کئے جاتے ہیں کہ ہائے سارا کانپور ہی خالی ہوا جاتا ہے، محلے کے محلے ویراں ہوتے جاتے ہیں، گھروں میں قفل لگتے جاتے ہیں، قبر کھودنے والے نہیں ملتے، سینکڑوں بچے یتیم ہوگئے، ہزاروں عورتیں بیوہ ہوگئیں، گھر گھر مردے ہی مردے ہیں، مردوں کا دفن کرنے والا بھی تو کوئی نہیں وغیرہ وغیرہ یہ سب اعتراض کے کلمات ہیں یا نہیں۔ کیوں صاحب کیا کبھی صاحب جج کے سامنے بھی اس طرح کہدوگے کہ اگر یہی فیصلے رہے کہ کسی کو پھانسی دے دی کسی کو قید کردیا تو تھوڑے دنوں میں بستی ہی ختم ہوجائیگی یقیناً کبھی ہمت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں جج پر اعتراض ہے یا کم از کم ایہام تو ضرور ہے۔ افسوس صد افسوس جو بات ایک حاکم دنیا کے سامنے گستاخی کے خیال سے نہیں کہہ سکتے وہی بات بیباک ہوکر خدا کے سامنے کیونکر کہی جاتی ہے؟ آخر ان جملوں کا کیا مطلب ہے کہ اگر یہی بیماری رہی تو بہت جلد شہر خالی ہوجائے گا؟ تمہیں خبر بھی ہے کہ یہ تم کسے سناتے ہو؟ اگر مجھے سناتے ہو

(۱) وہم کا اعتراض کرنے کی بھی۔

تو میں کیا کروں؟ کسی دوسرے کو سناتے ہو تو وہ بھی کیا کر سکتا ہے بس یوں کہو نا کہ خدا کو سناتے ہو۔ خیال تو کرو کتنی بڑی گستاخی ہے پھر گستاخی سے تو اور زیادہ قہر نازل ہونے کا اندیشہ ہے ؎

ہرچہ آید بر تو از ظلمات وغم — آں زبیباکی وگستاخی ست ہم
از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد — بلکہ آتش درہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق — باشد اندرلجہ حیرت غریق(۱)

عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کو علم محیط ہے کہ لوگ کس قدر گستاخیاں کرتے ہیں مگر پھر بھی رحمت کم نہیں ہوتی کیا انتہا ہے حلم کی۔

اللہ تعالیٰ کا حلم

یہ بھی تو نہیں کہ گستاخ کو بیمار ہی کر دیں نہیں اچھا خاصا ہٹا کٹا اور تندرست رہتا ہے مگر یہاں کی مہلت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ گستاخی کی سزا سے بری ہوگیا۔ سنگین مقدموں میں مہلت زیادہ دی جاتی ہے پہلے تحقیقات کے لئے نظر بند کر دیا جاتا ہے اُس میں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ شاید سزا ہو جائے یہی حالت خدا تعالیٰ کی یہاں بھی ہے دنیا میں جو واقعات ہوتے ہیں اکثر نمونہ ہیں واقعات آخرت کے لئے، دنیا کے واقعات وہاں کے واقعات کے نظائر ہیں مگر اسی

(۱) تم پر جو بھی مشکلیں اور غم آئے ہیں وہ تمہاری بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے ہے۔ خدا سے ادب کی توفیق طلب کرو کیونکہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے بے ادب اپنی گستاخی کی وجہ سے خود ہی ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اس کی وجہ سے پوری دنیا مصیبت میں پڑ جاتی ہے جو شخص راہ سلوک میں گستاخی کا مرتکب ہو وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔

اصل کے نہ جاننے سے اکثر دھوکہ ہوجاتا ہے چنانچہ ایک ملحد جو خدا کی ہستی سے انکار کرتا ہے وہ اپنے انکار کو اس خیال فاسد سے مضبوط (۱) کرتا ہے کہ اگر کوئی دنیا کا مالک اور صانع ہے (۲) تو اسی وقت بجلی گرا کے منکر کو ہلاک کیوں نہیں کردیتا اگر کوئی صانع ہے تو ہم پر بجلی گرادے اس کے بعد بجلی بھی نہیں گرتی اور وہ صحیح وسالم رہتا ہے تو یہ خیال کرلیتا ہے کہ صانع عالم کوئی نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے کیونکہ یہ برتاؤ تو اس وقت ہوتا کہ جبکہ صانع عالم حکیم نہ ہوتے غصہ اُسے جلدی آتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شاید پھر قابو نہ ہو دیکھو ایک کانسٹبل کو کس قدر جلد غصہ آجاتا ہے مگر وائسرائے کو باوجود آزار رسانی کے بھی غصہ نہیں آتا وجہ یہ ہے کہ کانسٹبل تو اسی وقت کچھ کرسکتا ہے جبکہ مقابلہ ہے اور وائسرائے کا قابو تسلط کی وجہ سے ہر وقت ہے اور بہت زیادہ ہے اس لئے وہ ایسی باتوں پر توجہ کرنا چھچھورپن سمجھتے ہیں حالانکہ وائسرائے کا تسلط سارے عالم پر نہیں صرف ایک ملک پر ہے اور وہاں تو سارے عالم پر تسلط ہے (۳) وہ اس بدتہذیب کے کہنے سے تمام حکمتوں سے قطع نظر کرکے قواعد سلطنت نہیں بدل دیتے کوئی جارج پنجم سے کہنے لگے کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو سارا لندن گولوں سے اُڑادیجئے یا تمام قیدیوں کو چھوڑ دیجئے وہ اس بیوقوف کے کہنے سے ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ کریں گے وہ وہی کرینگے جو ان کی سلطنت کے قواعد ہیں یا جو ان کی حکمت ومصلحت ہے اسی نمونہ کے موافق حق تعالیٰ کا بھی معاملہ ہے کہ مجرم کو مہلت دیتے ہیں اور اس میں اسرار ہوتے ہیں جن کو ہر شخص جان نہیں سکتا وہ ایسی غامض (۴) اور باریک باتیں ہیں کہ آپ کا خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۱) اس بے ہودہ خیال سے اس کو تقویت دیتا ہے (۲) دنیا کا کوئی مالک اور بنانے والا ہے (۳) ساری دنیا پر قبضہ ہے (۴) پوشیدہ اور باریک باتیں ہیں۔

علم خداوندی کی عظمت و بلندی

بھلا ان کے علم اور ان کی عظمت شان کے آگے آپ کی بساط(۱) ہی کیا اور آپ کا علم ہی کتنا ہے وہ معبود ہیں اور آپ عبد(۲) انکا اور آپ کا مقابلہ ہی کیا۔ آپ صرف اسی کو دیکھئے کہ آپ اور آپ کا نوکر دونوں ہم جنس اور ہم نوع ہیں(۳) اور اوصاف کثیرہ میں متقارب بھی ہیں(۴) اگر آپ عاقل ہیں تو وہ بھی عاقل ہے جس طرح آپ بولتے سنتے ہیں وہ بھی بولتا سنتا ہے۔ الغرض آپ کے اور اس کے افعال وخواص تقریباً یکساں ہی ہیں اگر کچھ فرق ہے تو صرف مال کا فرق ہے اور اسی فرق سے آپ کی اور اس کی حیثیت اتنی بدل گئی کہ آپ آقا ہیں اور اس فرق کا یہ اثر ہے کہ وہ نوکر آپ کے خانگی اسرار سے واقف نہیں ہوسکتا۔

احکام الٰہی کے اسرار معلوم کرنے کی حقیقت

پھر حق تعالیٰ میں اور آپ میں تو بون بعیدہ ہے(۵) وہاں تو کسی صحیح اعتبار سے تشارک بھی نہیں(۶) اور آپ کی وہاں وہ حیثیت بھی نہیں جو نوکر کی آپ کے یہاں ہے پھر اس کے بعد کس منہ سے ان کے حکم و اسرار سے واقف ہونے کی جرأت کرتے ہیں اگر آپ کا نوکر جو آپ کے خاص اوقات اور خانگی اسرار سے ناواقف ہے(۷) واقف ہونے کے لئے وہ اسرار آپ سے پوچھے یا خود کھوج(۸) لگائے آپ کس قدر ناراض ہونگے اور کتنا گستاخ سمجھیں گے؟ پھر خدا کے ساتھ تو

---

(۱) حیثیت ہی کیا ہے (۲) وہ لائق عبادت اور تم بندے (۳) دونوں ایک جنس اور ایک نوع سے تعلق رکھتے ہیں (۴) دونوں میں صفات بھی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں (۵) بہت زیادہ فرق ہے (۶) کسی بھی اعتبار سے ایک دوسرے کے شریک نہیں (۷) گھر کے بہت سے کاموں کی وجوہات سے ناواقف ہے (۸) اس کی حقیقت آپ سے معلوم کرے یا خود اس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

آپ کو وہ نسبت بھی نہیں آپ کون ہیں کہ خدائی اسرار پر مطلع ہونا چاہتے ہیں۔ کوئی ان کی پارلیمنٹ ہے جس کے آپ ممبر ہیں یا ان سے آپ کی رشتہ داری ہے جو آپ اُن کے معاملات میں دخل درمعقولات دیتے ہیں ہم تو ادنی سے غلام کی بھی ان کے سامنے حیثیت نہیں رکھتے جب آب و ہوا خراب ہوتی ہے تو پانی کے قطرہ میں کتنے جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے کہ ایک قطرہ میں لاکھوں ہوتے ہیں اس سے اندازہ کیجئے کہ اُن میں ایک کیڑا کتنا ذرا سا ہوگا اور وہ کیڑا آپ کے مسکن کے اسرار معلوم کرے اور اس پر رائے زنی کرنے لگے کہ اتنا بڑا میدان اور اتنا بڑا سائبان اس کی کیا ضرورت تھی صرف ایک رائی کا دانہ کافی تھا اگر وہ لاکھ برس عمر پاوے تو کبھی انسانی تمدن اور رموز سلطنت [1] کا احاطہ تو درکنار اس کے ایک جزو کو بھی نہیں سمجھ سکتا آپ کو تو خدا سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک وبائی کیڑے کو آپ کے ساتھ ہے پھر کیا آپ خدا کے اسرار جان سکتے ہیں ہرگز نہیں عارف شیرازی نے خوب فرمایا ہے ؎

حدیث مطرب دمے گو دراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

محبت خدا کا فائدہ

صاحبو! جو آپکا کام ہے اُسے کیجئے اس قصہ میں نہ پڑیئے اول تو اسرار کا علم ہی نہیں ہوسکتا اور اگر ہو بھی سکتا تب بھی ایسی کاوش محبت (۳) وعظمت کے خلاف ہے قلب میں اگر خدا کی عظمت ومحبت ہو تو اس سوال کی نوبت ہی ہرگز نہیں آسکتی کہ امراض و بلاؤں میں مثلاً کیا حکمت ہے محبت میں کبھی اس کا وسوسہ ہی نہیں آسکتا دیکھو اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور معشوق صاحب کبھی منہ نہ لگاتے ہوں ایک روز

(۱) حکومتی راز (۲) کوشش۔

اتفاق سے کہیں راستہ میں آمنا سامنا ہوجائے اور معشوق صاحب ان کے سر پر ایک چپت رسید کر کے (۱) چلدیں اب بتاؤ یہ عاشق کیا کریگا؟ اگر تم اس سے یہ کہو کہ میاں اس سے پوچھو تو چپت لگانے میں کیا حکمت تھی تو وہ کہے گا پوچھنے سے کیا فائدہ میرے دل کو اس کے چپت سے ایسی لذت حاصل ہوئی ہے کہ وہی تمام سوالات کا جواب ہے میری ایسی قسمت کہاں کہ اس کا ہاتھ میرے بدن کو لگے خدا کا شکر ہے اس نے چھیڑا تو بہت دنوں میں قسمت جاگی کہ ادھر توجہ تو ہوئی۔

محبت کا مقتضاء

چنانچہ ایک عورت کا خاوند نہایت بدمزاج تھا کبھی بیوی کی طرف التفات (۲) نہیں کرتا تھا ایک روز گاجریں لایا اور ایک گاجر کھا کہ اس کی پینڈی (۳) اُس غریب کے کھینچ ماری وہ اس سے اتنی خوش ہوئی کہ ایک عورت کو اپنے میکہ بھیجا کہ اماں سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ کھائی تھی گاجر ماری تھی پینڈی کچھ کچھ سہاگ بھوڑا ہے (یعنی لوٹنے لگا ہے) خدا جانے اس کم بخت کو شوہر سے کتنی محبت ہے کہ اُس کے پینڈی مارنے سے ہی اس قدر خوش ہوئی۔ محبت بھی عجیب چیز ہے، اسی طرح ایک عورت اپنے شوہر سے بے پروا تھی وہ اُسے پسند نہیں تھا اُس سے الگ الگ رہتی تھی ایک روز چور جو آئے اور کھڑکا ہوا تو مارے ڈر کے شوہر سے لپٹ گئی اُسی وقت شوہر بزبان حال یہ کہتا ہے۔

ع ایں کہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب (۴)

چور کچھ آہٹ جاگنے والوں کی پاکر بھاگنے لگے اور ہر روز آیا کرو کسی

(۱) سر پر ایک تھپڑ مارے (۲) توجہ ہی نہیں کرتا (۳) گاجر کا بچا ہوا آخری حصہ (۴) یہ جو حالت میں دیکھ رہا ہوں یا اللہ یہ خواب ہے یا بیداری کی حالت۔

طرح بیوی صاحب میری طرف متوجہ تو ہوں۔ دیکھئے اُس نے محض بیوی کے لئے سارا گھر لٹوادیا ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہراو اولیٰ بود(۱)

اللہ اکبر لوگ محبت مجازی میں تو مضرتوں کو بھی منفعت سمجھتے ہیں اور اللہ کی محبت میں بلاؤں اور وباؤں میں منفعت نہیں سمجھتے جن کو علاقہ محبوب حقیقی سے ہوتا ہے وہ اُس سے بھی یہی درخواست کرتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ خنجر آزمائی(۲)

محبت کے ثمرات

ایک بزرگ نے لوگوں کو دیکھا کہ بھاگ رہے ہیں۔ پوچھا کیوں بھاگ رہے ہو کسی نے کہا طاعون سے بھاگ رہے ہیں فرمایا یاطاعون خذنی الیك (اے طاعون مجھے لے لے) چنانچہ اُسی میں انتقال ہوگیا انہوں نے طاعون کی درخواست کی؟ صرف اس واسطے کہ وہ بروئے حدیث مومن کے لئے رحمت ہے۔ بہرحال انہیں اس میں بھی لذت آتی ہے کہ فاقہ ہو یا بیماری آجائے کیونکہ یہ سب کچھ محبوب ہی کی طرف سے تو ہے ؎

بجرم عشق تو ام میکشند وغوغائے است تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائے است(۳)

صرف اتنی تمنا ہے کہ محبوب مجھے قتل ہوتے دیکھ لے بس پھر سب آسان ہوجائیگا جب اور کے ہاتھ سے قتل ہونے میں اس قدر خوش ہیں تو اگر ان کے ہاتھ سے قتل ہوں تو کیا کہنا پھر تو یہ حال ہوگا ؎

---

(۱) مولا سے محبت لیلیٰ کی محبت سے کب کم ہوسکتی ہے اس کے لئے سرگرداں پھرنا بہرحال بہتر ہے (۲) دشمن کے مقدر میں تیری تلوار سے ہلاک ہونا نہ ہو دوستوں کا سر سلامت ہے تو ان پر اپنی تلوار آزما (۳) تیرے عشق کے جرم میں مجھے قتل کیا جارہا ہے اور یہ شور وہنگامہ برپا ہے تو بھی تو دروازے پر آکر دیکھ کیسا تماشہ لگا ہوا ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من (۱)

میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ نری شاعری ہی نہیں ہے بلکہ واقعی اہل اللہ مصائب کو اسی قدر لذیذ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اے حضرات یہ مضمون آپ کی سمجھ میں نہیں آتا اور کیوں نہیں آتا محض اس لئے کہ محبت نہیں بس سب شکایتوں اور وسوسوں کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کی جائے واللہ اگر محبت ہوتی تو بدگمانی اور شکایت تو کیا ہوتی کبھی شبہ بھی نہ ہوتا ۔

ہرکر اجامہ زعشقے چاک شد او زحرص وعیب کلی پاک شد
شادباش اے عشق خوش سودائے ما وے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما دے تو افلاطون و جالینوس ما(۲)

محبت الٰہی کا حال

صاحبو! محبت عجب چیز ہے مگر افسوس اس کی تحصیل کی طرف توجہ نہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے محبت کو ایمان کا لازم گردانا ہے فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ﴾ خدا کا یہ فرمانا غلط نہیں اگر آپ میں محبت کم ہے تو ضرور ایمان میں کمی ہے اور علاوہ ایمان کی کمی کے بغیر محبت کے زندگی کا بھی تو مزہ نہیں ۔

بے دوست زندگانی لطفے چناں ندارد لطفے چناں ندارد بی دوست زندگانی (۳)

(۱) مجھے وہ ناگوار بات بھی پسند ہے جس سے تو خوش ہو کیونکہ میرا دل تیری محبت میں گرفتار ہے (۲) جس شخص کا دامن بوجہ عشق پھٹا ہوا ہو وہ ہر قسم کے حرص وعیب سے پاک ہوتا ہے۔ مبارک ہوا ے عشق تو میرے لئے بہترین تجارت ونفع کا باعث ہے تو میری تمام بیماریوں کے لئے بشکل طبیب کے ہے تو تو میری نخوت وناموس کی دوا ہے تو تو میرے لئے افلاطون وجالینوس ہے (۳) بغیر محبوب کے زندگی کا کیا لطف۔ بغیر دوست کے زندگی میں کوئی لطف نہیں ہوتا۔

اے صاحبو! جنکی بیویاں یا جن کے خاوند مرجاتے ہیں ان کی زندگی کسقدر بے لطف ہوجاتی ہے کیونکہ انہیں محبت کا چسکہ پڑگیا ہے اب بغیر اُس کے شگفتگی نصیب نہیں ہوسکتی افسوس کہ آپ کو خدا کی محبت بغیر کس طرح چین آتا ہے ۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند وزن صبر چوں دری ز رب ذوالمنن (۱)

لوگوں کو بیوی اور بچے کے چھوٹنے سے قرار نہیں آتا مگر نہ معلوم خدا سے جدا ہوکر کیسے چین آ گیا ایک عزیز کے چھوٹنے سے اس قدر پریشان ہوتے ہیں اگر خدا سے علاقہ نہ ہوتو کسقدر پریشانی ہوگی یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا مصائب کے وقت سخت بے چین ہوجاتے ہیں اور اللہ والے ہر حال میں خوش ہیں ان کا تو مذاق یہ ہے کہ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود (۲)

اہل اللہ کے صبر کی شان

خواہ کیسی ہی سخت بلا نازل ہوجاوے مگر انہیں کچھ پروا نہیں ہوتی کیونکہ اللہ سے تعلق ہے حزن طبعی (۳) تو ان کو بھی ہوتا ہے مگر پریشانی نہیں ہوتی یہ نہیں کہ انہیں بیوی بچوں سے تعلق اور ہمدردی نہیں ہے اس لئے کسی کے مرنے کی پروا نہیں کرتے ان کو اولاد وغیرہ سے تعلق تو اتنا ہوتا ہے کہ ایک عزیز حکایت بیان کرتے تھے کہ ایک شخص کے سات لڑکے تھے اور ساتوں حافظ تھے تجارت کرتے تھے رمضان شریف میں ایک قرآن سناتا تھا اور سب باپ بیٹے اُس کے پیچھے سنتے تھے ایک سال طاعون بہت شدت سے تھا سننے والوں میں سے ایک لڑکے نے کہا کہ ابا متلی ہوتی ہے کہا گھر میں آرام وتھوڑی دیر بعد دوسرے نے پھر تیسرے نے غرض سب نے متلی کی الخ شکایت کرکے باپ سے گھر آنے کی اجازت لی جب تراویح ختم

(۱) تو بیوی بچوں کے بغیر چین سے نہیں رہ سکتا ہے تو اللہ کے تعلق کے بغیر کیسے چین آسکتا ہے (۲) محبوب جس حال میں رکھے ہم خوش نہیں (۳) طبعی غم۔

جب تراویح ختم ہوئی تو امام نے بھی یہی شکایت کی اُسے بھی گھر میں لائے ان سب کو ایسا سخت طاعون ہوا کہ صبح تک سب ختم ہوگئے اور باپ نے نہایت شکر کے ساتھ تجہیز و تکفین کا انتظام کیا تھوڑی دیر کے بعد ایک ہی گھر سے اکھٹے سات جنازے نکلے مگر باپ نہایت خاموشی کے ساتھ جنازوں کے ہمراہ تھے آہ و بکا اور گریۂ وزاری کچھ نہ تھی ایک شخص نے کہا کیسا سنگدل باپ ہے کہ اس کی آنکھ سے ایک آنسو تک نہیں نکلتا اتفاق سے ان مرد خدا نے بھی یہ جملہ سن لیا اسی وقت کھنکار کے تھوکا تو کہنکار میں جما ہوا خون نکلا اور کہا رونے سے کیا فائدہ میرا تو کلیجہ کٹ کٹ کر نکل رہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کی چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند(۱)

بکنے والوں کو بکنے سے کام ہے انہیں کیا خبر کہ کسی کے دل پر کیا گزرتی ہے جب وہ تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر گھر پہنچے تو کلیجہ پھٹ گیا اور خود بھی داعی اجل کو لبیک کہا اللہ اکبر کتنا بڑا واقعہ ہے مگر حضرت اللہ والے سب گوارا کر لیتے ہیں زبان پر اختیار تھا تو زبان سے بجز صبر و رضا(۲) کے کوئی بات نہ نکلی کلیجہ پر اختیار نہ تھا وہ طبعی غم سے پھٹ گیا تو خود بھی ختم ہوگئے مگر شکایت کا لفظ زباں پر نہ لائے۔

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

انسان ہر مصیبت کو برداشت کرسکتا ہے بشرطیکہ محبت ہو پھر کسی چیز کی بھی اُس کو پروانہیں ہوتی جان و مال آبرو غرض محبوب کے مقابلہ میں کسی کی بھی پروانہیں

(۱) تیرے پاؤں میں ایک کانٹا تک تو چبھا نہیں تجھے ان شیروں کے حال کا کیا پتہ جو ہر وقت اپنے سر پر تلواریں گراتے ہیں (۲) سوائے صبر اور رضامندی۔

رہتی حضرت حسانؓ فرماتے ہیں ؎

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

یعنی میرے ماں باپ اور آبرو سب محمد ﷺ پر فدا ہیں سبحان اللہ کیا سچی محبت ہے حضرات صحابہؓ کو حضرت سے ایسی محبت تھی کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تھے تمام عورتیں حضور کے اور اپنے اعزہ مجاہدین کے انتظار و اشتیاق میں مدینہ سے باہر نکل آئی تھیں کسی نے ایک عورت سے کہا کہ اس غزوہ میں تیرا بیٹا باپ خاوند اور بھائی سب شہید ہو گئے تو وہ کہتی ہے پہلے یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ بھی سلامت ہیں اُس نے کہا ہاں حضور تو بحمد اللہ سلامت ہیں جب آپ زندہ ہیں تو ہزار ماں باپ اور اولاد آپ پر قربان ہیں۔ حقیقت میں یہ تھے عاشقِ رسول مگر آج یہ حالت ہے کہ محبت اور عشق رسول کا بڑا جوش اُٹھا تو سال بھر کے بعد کچھ غزلیں پڑھ لیتے ہیں مٹھائی بانٹ دیتے ہیں جس میں سراسر اپنا ہی حظ نفس ہے (۱) دین کے لئے جان دینا اور حضور کے احکام بجالانا آجکل کی محبت میں داخل ہی نہیں۔

آج کل کی محبت کی مثال

ان لوگوں کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے مشہور ہے کہ ایک قصائی کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی اپنی برادری کے لوگوں میں بیٹھی رو رہی تھی کہ ہائے یہ تو مر گیا اب اس کی چھریاں کون لیگا ایک بولا میں لونگا میں۔ پھر وہ کہنے لگی ہائے اس کے کپڑے کون لیگا وہ بولا میں لونگا میں، غرض وہ جس چیز کو یہ کہہ کے روتی کہ یہ کون لیگا وہ کون لیگا وہ کہتا میں تو لونگا میں آخر میں اُس نے یہ کہا ہائے اس کا قرض کون ادا کریگا

(۱) اپنا ہی دل خوش ہوگا۔

آپ کہتے ہیں بولو بھئی کس کی باری ہے اب تک تو میں بولتا رہا لینے کے لئے تو یہ اور دینے کے لئے کوئی اور، یہی ہماری حالت ہے غزل اور نعت اور مٹھائی کے وقت تو ہم عاشق رسول بن جاتے ہیں اور احکام کی اطاعت اور شریعت کی پابندی اور بدعت سے اجتناب کے موقع پر کہتے ہیں بولو بھئی کس کی باری ہے چنانچہ اس جگہ کا (یعنی کانپور کا) ذکر ہے کہ ایک عورت کو جس کی بیٹی جوان تھی اور بیوہ ہوگئی تھی میرے گھر میں نصیحت کی کہ اس کا نکاح کردو اور معیوب مت سمجھو اور اگر یہ عیب ہوتا تو جناب رسول مقبول ﷺ کیوں کرتے۔ اس نے صاف کہا کہ (معاذ اللہ) آپ ہمارے نکاح بیاہ کے پیغمبر نہیں بس نماز وروزہ کے پیغمبر ہیں کیا اسی کا نام محبت ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ؎

لو کان حبك صادقا لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع

حقیقی عاشق رسول ﷺ

ہمارے وطن میں ایک شخص اشفاق احمد تھے وہ مولد شریف بہت پڑھا کرتے تھے ایک مرتبہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں ہم اُس سے زیادہ خوش نہیں جو ہماری بہت تعریف کرے۔ ہم اُس سے خوش ہیں جو ہماری اطاعت کرتا ہے یعنی محبوب وہ ہے جو ہمارے قانون پر عمل کرتا ہے اور وہ محبوب نہیں جو صرف قصیدے پڑھتا ہے مگر عمل نہیں کرتا تو جناب محبت تو ایسی ہونی چاہیئے کہ محبوب پر سب کچھ فدا کردے یہ کیا کہ جہاں یہ خیال آ گیا کہ برادری میں ہٹی ہوگی (۱) بس محبت ختم ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو برادری سے زیادہ محبت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ کہ اہل ایمان

(۱) برادری میں بے عزتی ہوگی۔

اللہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ کیسی برادری اور کہاں کا کنبہ آپ کی شان تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

جو فرمائیں اس کی تعمیل میں لگ جایئے یہ بھی نہ پوچھئے کہ اس میں کیا حکمت ہے۔

عاشق کا حال

صاحبو! اگر کوئی کسی کسبی پر عاشق ہوجائے اور وہ یہ کہے کہ میں جب ملوں گی کہ تم جبہ اور قبا اتار کر فقط ایک پاجامہ پہن کر بلکہ لنگوٹی باندھ کر دس(۲) دفعہ بازار میں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر کودتے ہوئے پھرو تو یہ ایسا ہی کرے گا اور ہرگز نہ پوچھے گا کہ بی تیرا اسمیں کیا فائدہ ہے؟ اگر کوئی کہے بھی کہ اس میں کیا فائدہ تو کہے گا کہ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس کے بعد ایک وہ دن آئیگا کہ محبوبہ مجھے مل جائیگی اس سے زیادہ مجھ کو کسی فائدہ سے بحث نہیں۔ ہمارے وطن میں ایک بیہودہ تھا اس سے کہا گیا کہ تم پاجامہ اتار کر فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ننگے چلے جاؤ تو سیر بھر مُرمرے(۳) دینگے وہ فوراً پاجامہ اُتار کے منظر عام پر چلا گیا اور یہ بھی نہ پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے جب مرمروں کی محبت میں کچھ نہیں پوچھا تو جنہیں خدا کی محبت ہوگی انہیں تو حکمتوں کی تحقیق کا وسوسہ بھی نہ ہوگا افسوس لوگ خدا کے ساتھ قانونی برتاؤ کرتے ہیں احکام الٰہی کے اندر حکمتیں تلاش کرتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے اور اس کی لِم کیا ہے(۴)۔

(۱) دشمن کے نصیب میں یہ نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جبکہ دوستوں کا سر سلامت ہے تو ان پر خنجر آزمائی کرے (۲) ایک پیر میں جوتا پگڑی پہن کر جانگیاں پہن کر (۳) بھنے ہوئے چاول (۴) اس کی وجہ کیا ہے۔

اللہ سے محبت نہ ہونے کا انجام

مجھے تو ایسی باتوں سے ایسے واقعات سے حیرت ہوتی ہے چنانچہ ایک شخص نے دُعا کی کسی کی صحت کے لئے مگر اُس کا وقت آ گیا تھا انتقال ہوگیا تو یہ کہتا ہے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی معلوم ہوتا ہے خدا ہی نہیں (معاذ اللہ) اگر خدا ہوتا تو کیا ہماری دُعا قبول نہ کرتا۔ صاحبو! محبت نہ ہونے سے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں اگر اس شخص کو محبت ہوتی تو اس قسم کا وسوسہ بھی دل میں نہ آتا۔

اللہ سے محبت رکھنے والے کی سوچ

محبت والے کو دعا کے قبول نہ ہونے سے سب سے پہلے اپنی نالائقی کا تصور ہوتا ہے کہ میں کیا اور میری دعا ہی کیا، میرے ناپاک منہ سے نکلی ہوئی دعا قابل قبول ہی کب تھی جو قبول کی جاتی اس بات کے بعد پھر شریعت کی نصوص سے دوسرے طریق پر اسکی تسلی ہوجاتی ہے کہ دعا تو ضرور قبول ہوئی مگر یہ ضرور نہیں کہ جو مانگا تھا وہی ملے بلکہ اُس سے اچھی چیز مل جاوے گی اور جس کو محبت نہیں وہ کبھی دعا کے قبول نہ ہونے سے خدا کے وجود ہی میں شک کرنے لگے گا اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جارج پنجم کچھ نہیں اگر ہیں تو مجھے امتحان سے مستثنیٰ کر کے یوں ہی ڈپٹی کلکٹری دلا دیں مگر جب اس نے درخواست پیش کی تو امتحان لیا گیا اب یہ کہتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جارج پنجم ہیں ہی نہیں ورنہ مجھے امتحان سے ضرور مستثنیٰ کردیتے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ استدلال بالکل بیہودہ ہے اس کے جواب میں یہی کہا جائیگا کہ ضابطہ یہی ہے کہ امتحان لیا جائے اور تمہارے لئے استثناء کو نامناسب سمجھا جائے اس لئے رعایت نہیں کی گئی جب یہ مثال سمجھ میں آ گئی۔

مصائب کی حکمتیں

تو اب سمجھئے کہ بلا میں بھی یہی حکمت ہے کہ امتحان لینا مقصود ہے کہ دیکھیں کون کیسا ہے کون کیسا ہے تمہاری دعا اسی لئے قبول نہیں ہوئی کہ ضابطہ وہی ہے اور تم اپنے کو ضابطہ سے مستثنیٰ کرنا چاہتے ہو اور یہ استثناء حکمت ومصلحت کے خلاف ہے اور امتحان اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ تمہیں خود اپنی حالت کا علم ہو جائے ورنہ خدا کو تو بغیر امتحان کے علم ہے اسی کو اس آیت میں فرماتے ہیں جسے میں نے ابتداء میں تلاوت کیا ہے ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا﴾ الآیۃ میں اس امتحان کے علاوہ جو کہ ایک حکمت جلی ہے بلا کی، ایک خفی حکمت بھی بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی بلا آتی ہے تو اخلاق پر اُس کا اچھا اثر پڑتا ہے جن نفسانی امراض کا بڑے بڑے مجاہدوں سے علاج ہونا چاہیئے تھا ان کا علاج مصائب اور رنج وغم سے بہت جلدی ہو جاتا ہے یہ بھی ایک مجاہدہ ہے۔

اقسام مجاہدہ

کیونکہ مجاہدہ دو قسم پر ہے ایک اختیاری اور ایک اضطراری اختیاری مجاہدہ تو یہ ہے تقلیل الکلام۔ کم بولنا۔ تقلیل الاختلاط مع الانام۔ لوگوں سے کم ملنا جلنا۔ تقلیل المنام کم سونا۔ تقلیل الطعام کم کھانا جس میں سے اس زمانہ کے لئے صرف اول کے دو جزو کافی ہیں مگر یہ مجاہدہ بعض امراض کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

اس کے لئے مجاہدہ اضطراری کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بدوں امداد غیبی (۱) کے قصد واختیار سے نہی شرعی کے سبب ناممکن ہے (۲) مثلاً اگر کوئی سنکھیا

(۱) بغیر اللہ کی مدد کے (۲) شرعاً ممنوع ہونے کی وجہ ناممکن ہے۔

کھائے یا اور کسی طرح اپنے کو بیمار ڈالے یا ہلاک کرے تو ناجائز ہے اس لئے وہ خدا کی طرف سے بیمار کیا جاتا ہے اُس کے بیوی بچوں کو موت دے دی جاتی ہے اگر یہ خود مارے تو ناجائز ہے پس یہ رحمت ہے کہ تمہارا کام اُدھری سے کردیا جاتا ہے ڈاکٹر ہی سے نشتر دلوایا جاتا ہے اپنے ہاتھ سے کوئی نہیں دیتا اور اگر ڈاکٹر کو مشورہ دے کر نشتر ندو تو بس علاج ہو چکا خیر خواہ ڈاکٹر مریض کی رائے پر کبھی عمل نہیں کرتا دیکھئے بچہ کو ماں باپ پچھاڑ کے چمچہ سے دوا پلاتے ہیں پھر حلق سہلاتے ہیں کہ اندر اُتر جائے اور بچہ مچلتا ہے غل مچاتا ہے ہائے رے ہائے رے کرتا ہے مگر اُس کے شوروغل کی کچھ پروا نہیں کرتے سننے والے بھی ماں باپ کو ظالم نہیں سمجھتے بلکہ خیر خواہ سمجھتے ہیں افسوس آپ کو ماں باپ پر اعتماد ہے خدا پر بھروسہ نہیں ہے وہاں آپ اپنی عقل سے حکمت دریافت کرتے ہیں اور جب سمجھ میں نہیں آتی تو یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ اسمیں کوئی حکمت نہیں۔

عقل محدود ہے

تعجب ہے صاحبو! جس طرح اور قوائے مدرکہ ہیں (۱) اسی طرح عقل بھی تو صرف ایک قوت مدرکہ ہے اور جس طرح وہ سب محدود ہیں اسی طرح عقل بھی محدود ہے مثلاً کان ایک حد تک سنتے ہیں اس کے آگے نہیں سنتے اُن کے آگے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آواز نہیں ہے مثلاً یہ معلوم ہے کہ کلکتہ میں روز بارہ بجے توپ چلتی ہے اگر اس کی آواز یہاں نہ سنائی دے تو اُس کا انکار نہیں ہوسکتا اسی طرح کرنیل گنج میں عطر کی شیشی کھلی اور یہاں خوشبو نہیں آئی تو اُس کے کھلنے کا انکار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح آنکھ ایک حد تک دیکھتی ہے اُس سے آگے کام نہیں کرتی

(۱) جیسے دوسری قوتیں ہیں جن سے چیزوں کا علم ہوتا ہے مثلاً سننے، دیکھنے، چکھنے کی قوت۔

مگر کیا حد نظر سے آگے کچھ ہے نہیں؟ یقیناً اس کا کوئی قائل نہیں جب ہر قوت کے لئے ایک حد ہے تو اس کلیہ کا مقتضا (۱) یہ ہے کہ عقل کے ادراک کے لئے بھی ایک حد ہونا چاہیے ہر چیز عقل میں آجانی ہی چاہئیے کیوں صاحب کیوں آنی چاہیے کان آنکھ کی طرح وہ بھی ایک قوت مدرکہ اور دل کی آنکھ ہے جتنی اس کی قوت اور حد ہے اسی کے موافق ادراک کرے گی اور جو اس کی حد اور طاقت سے باہر ہے، اس کے ادراک سے عاجز رہے گی تم یہ سمجھتے ہو کہ جو تم نہ سمجھو وہ عقل کے خلاف ہے حالانکہ وہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ اس کی حد سے باہر ہے اور ہے صحیح کسی مجذوب سے پوچھا گیا عقل کیا ہے کہا وہ جو خدا کو پاوے پوچھا خدا کون ہے کہا جو عقل میں نہ آوے مطلب یہ ہے کہ عقل وہ ہے جو ہمیشہ اس کی جستجو میں لگی رہے اور اس سے کبھی غافل نہ ہو، گو اس کی کنہ، اس کی ادراک سے فوق ہے (۲) غرض یہ بات ماننا پڑے گی کہ عقل کے لئے بھی ایک حد ہے جس سے آگے وہ نہیں چل سکتی۔

مصائب کی حکمتیں

آپ روح ہی کو نہیں سمجھ سکتے کہ کیا ہے جس طرح یہ سمجھ میں نہیں آتی اسی طرح احکام الٰہی کی بعض حکمتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں ہاں نظائر سے تسلی ہونا اور بات ہے اسی طرح بلا میں ایک حکمت امتحان بھی ہے جو حکمت جلی ہے جس کا بیان اول ہوا ہے دو حکمتیں اور بھی ہیں ایک خفی اور ایک اخفی (۳) سو حکمت خفی یہ ہے کہ بیماری اور مرض سے انسان میں شکستگی اور عجز پیدا ہوتا ہے اور یہ علاج ہے غرور ناز اینٹھ مڑوڑ کا (۴) مثلاً جب تک کوئی نہ مرے، اپنی دولت وقوت کا غرور نہیں جاتا

(۱) ہر قوت کی ایک حد ہے تو اس قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ عقل کے سمجھنے کے لئے بھی ایک حد مقرر ہے
(۲) اگرچہ اس کی حقیقت اس کی سمجھ سے باہر ہے (۳) ایک پوشیدہ دوسری اس سے بھی زیادہ پوشیدہ (۴) اکڑ غرور۔

اس سے شکستگی پیدا ہوتی ہے اور یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے یہ تو خفی حکمت تھی جسکا بیان ابھی ہوا ہے اور حکمت اخفی یہ ہے کہ بلا میں مشاہدہ ہے یہ ذرا باریک بات ہے۔ یہ اہل اللہ کے لئے ہے عاشق کی شان یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ محبوب کا ایک عضو بھی اس سے اچھا نہ رہے عاشق کو چین نہیں آتا وہ ہاتھ اور انگلیاں تو دیکھنا چاہتا ہی ہے محبوب کے رخسار(۱) تک پر نظر ڈالتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مینگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست(۲)

اس سے بڑھ کر رخسارہ ہے اگر محبوب ایک چھپالے اور ایک کھولدے(۳) تو وہ بے چین ہوگا کہ کسی طرح دونوں دیکھوں۔

اللہ کی دوشانوں کا ظہور

جس طرح محبوب کے دو رخسارے ہیں یہاں حق تعالیٰ کی دوشانیں ہیں ایک جلال ایک جمال۔ جمال، لطف ورحمت وغیرہ ہے اور جلال وہ جسے آپ سختی وقہر سمجھتے ہیں عاشق یہ چاہیگا کہ دونوں کو پہچانوں بغیر اس کے اُسے صبر نہیں آتا کیونکہ ایک رخ کی معرفت تھی دوسرے کی نہ تھی۔

جنت سے خروج آدم کا راز

یہی راز ہے آدم علیہ السلام کے جنت سے اخراج میں یعنی جب وہ جنت میں تھے انہیں صفت محسن منعم اور کریم کی بدرجہ عین الیقین معرفت تھی(۴) اور عادل

(۱) محبوب کے گالوں تک پر نظر ڈالنا چاہتا ہے (۲) سر سے پیر تک میرے محبوب کا سراپا اتنا حسین ہے کہ جہاں نظر پڑتی ہے دل کہتا ہے کہ دیکھنے کی جگہ تو یہی ہے (۳) اگر محبوب چہرے کا ایک رخسار کھول دے دوسرا چھپائے تو بھی خسارہ ہے (۴) اللہ تعالیٰ کی صفات مذکورہ کی معرفت یقین کامل کے درجہ میں بوجہ مشاہدہ کے تھی۔

منتقم عفوٌ توابٌ رحیم رؤف کی معرفت بدرجہ علم الیقین تو تھی مگر بدرجہ عین الیقین نہ تھی (۱) حق تعالیٰ کو ان کی معرفت کو مکمل کرنا مقصود تھا اُس کے لئے سامان یہ ہوا کہ ممانعت کے بعد بوسوسہ شیطان گیہوں کا دانہ کھالیا گو اس کا بھی انہیں ثواب ملا کیونکہ یہ ان کی اجتہادی خطا تھی ارشاد ہوا جنت سے باہر ہوجاؤ اس وقت انہیں عادل منتقم کی معرفت ہوئی اس کے بعد توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوئی تو ثواب کی معرفت ہوئی پھر معاف ہوگیا تو عفو کی معرفت ہوئی پھر رحمت خاصہ متوجہ ہوئی تو رؤف رحیم کی بھی معرفت ہوئی اگر ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کی معرفت اور ان کا علم عین الیقین کے درجہ تک مکمل نہ ہوتا انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں سے ان کے معارف وکمالات بڑھائے جاتے ہیں۔

انبیاء اور صلحاء کی شان

یہی راز ہے کہ جب رسول مقبول ﷺ کو بخار آیا تو ابن مسعودؓ سے فرمایا مجھ کو بہ نسبت تم لوگوں کے دوگنا بخار ہوتا ہے اور اجر بھی دوگنا ہوتا ہے چونکہ ان کو معرفت کامل بلکہ اکمل عطا ہوتی ہے اس لئے ان کے لئے بیماری بھی سب سے بڑھ کر ہونی چاہیئے صحت بھی اوروں سے بڑھ کر بیماری بھی اوروں سے بڑھ کر یہی شان ہے انبیاء وصلحاء کی اور اُسی مشاہدہ کی بدولت اُنہیں بلا میں اس قدر مسرت ہوتی ہے کہ آپ کو انعام میں بھی نہیں ہوتی حضرت رابعہ کے یہاں جب عرصہ تک فاقہ نہ ہوتا تو فرماتیں کہ اللہ میاں خفا معلوم ہوتے ہیں کیونکہ بہت دن سے فاقہ نہیں ہوا جو چھیڑ چھاڑ کی دلیل ہے۔ الغرض یہ حکمتیں تھیں جن میں بعض کا حاصل

(۱) مذکورہ صفات کی معرفت علم یقینی کے درجہ میں تو تھی لیکن مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے عین الیقین یعنی تیسرا کامل وتام کے درجہ میں نہیں ہے۔

مجاہدہ تھا اور بعض کا حاصل مشاہدہ۔

حروف مقطعات کا راز

اور جو بالکل جلی یعنی کھلی ہوئی حکمت ہے وہ اس آیت میں مذکور ہے فرماتے ہیں۔ الٓمّ ایک نکتہ اس میں اس وقت سمجھ میں آیا کہ اسے شروع کیا حروف مقطعات سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ہمارے چند حروف کی حکمت تو معلوم نہیں بڑا دعویٰ ہے اور بڑے حکمت جاننے والے ہیں تو انہیں کی حکمت بتادو جب حروف کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے تو ہمارے افعال کی حکمت کیا سمجھو گے یہ تعجیز (۱) کے لئے ہے۔

مقصودِ آیت

آگے مقصود ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا﴾ کیا لوگوں کا گمان ہے کہ امنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے وھم لا یفتنون اور امتحان نہ ہوگا کیونکہ آمنا (ہم ایمان لائے) ایک دعویٰ ہے اور اس کی دلیل امتحان میں کامیابی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پہلے بھی ہم نے لوگوں کا امتحان لیا ہے اور اس امتحان کا ثمرہ کیا ہے ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ جان لیں گے کون سچا ہے اور کون جھوٹا لیعلمن میں ایک علمی تحقیق ہے مگر اس کی تفصیل کا وقت نہیں ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں پر ظاہر کردیں، کون سچا ہے اور کون جھوٹا ورنہ انہیں تو سچے اور جھوٹے کا پہلے سے علم ہے اس امتحان کے متعلق ایک شعر یاد آیا۔

وجائزه دعوى المحبة فى الهوائے ولكن لا يخفى كلام المنافى

(۱) بندے کے عاجز ہونے کے اظہار کے لئے ہے۔

معیارِ عشق

اور ایک حکایت یاد آئی ہے کہ ایک نوجوان سے ایک شخص نے کہا میں تم پر عاشق ہوں اُس نے التفات نہ کیا جب بہت مرتبہ کہا تو ایک دن اس نے کہا اگر تم عاشق ہو تو سیر بھر چونا بے بجھا(۱) کھالو اب تو سوچے کہ چونا کھاؤنگا تو منہ اور آنتیں سب کٹ جائیں گی اس کے سوچنے پر محبوب نے ایک جوتا رسید کیا کہ بس یہی عشق ہے واقعی اگر عاشق ہوتا تو چونا پیش کرنے پر چوں نہ کرتا اور کھالیتا بس اس روز سے پھر عشق کا نام نہیں لیا۔

امتحانِ عشق

اختتام مثنوی میں ایک حکایت ہے کہ ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ہولیا اُس نے پیچھے مڑکر دیکھا پوچھا تم کون ہو کہا میں تم پر فریفتہ اور عاشق ہوں کہا مجھ میں کیا رکھا ہے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے ہزار درجہ زیادہ حسین ہے یہ براہ ہوس اس کے دیکھنے کو پیچھے پلٹے جیسا کسی نے کہا ہے ۔

وفاداری بلا راز تبیلان چشم که هردم برگلے دیگر سرایند

یہ حضرت جوں ہی پیچھے پلٹے اُس نے ایک دھول رسید کی کہ بس یہی عشق ہے ۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی دربیان دعوے خود صادقی
پس چرا بر غیر افگندی نظر ایں بود دعویٰ عشق اے بی بہتر

تو اگر عاشق تھا غیر کی طرف کیوں رخ کیا۔ غرض سچے جھوٹے مدعی

(۱) سفیدی بغیر پانی میں ٹھنڈی کئے۔

امتحان کے وقت معلوم ہو جاتے ہیں۔ عند الامتحان یکرم الرجل اویھان۔(۱)

غرضِ امتحان

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آمنا کے معنی عشقنا کے ہیں اور وہ اس طرح کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ میں ایمان کے لئے محبت الٰہی کو لازم قرار دیا گیا ہے تو اب آمنا کے معنی عشقنا واحبنا ہوئے جب تم نے آمنا کہہ کر خدا کی محبت کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے امتحان ضروری ہوا اس لئے کبھی آپ کی اولاد کو بیمار کر دیتے ہیں کبھی کسی اور عزیز کو۔ اب یہ کہنا کہ بیٹے کو بیمار کیوں کیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ مجھے امتحان سے بری کیوں نہ کیا اور جب بری نہ ہوئے تو اب شبہ اور وسوسہ ہونے لگا۔ ایک شبہ یہ ہے کہ خدا کو تو خبر ہے کہ کون کیسا ہے کون کیسا ہے امتحان لینے کی کیا ضرورت امتحان تو وہاں لیا جاتا ہے جہاں حالت مخفی ہوتی ہے اس کا جواب جیسا اوپر بھی مذکور ہوا یہ ہے کہ یہ امتحان ظہور علی الممتحن (۲) کی غرض سے نہیں لیا جاتا بلکہ ظہور علی الناس (۳) کی غرض سے لیا جاتا ہے۔ یعنی امتحان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اور لوگ اس کی حالت سے واقف ہو جائیں کہ سچا مسلمان ہے یا جھوٹا اور یہ اپنی حالت خود بھی جان لے اور جہل مرکب میں مبتلا نہ رہے۔(۴) بعض اوقات آدمی لائق سمجھا جاتا ہے اور خود بھی اپنے کو لائق سمجھتا ہے مگر امتحان کے وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کچھ بھی نہ تھا یہی راز ہے خدا تعالیٰ کے امتحان کا پل صراط اور میزان کی بھی یہی حکمت ہے۔ مقصود یہ ہے کہ کوئی جھگڑا بھی نہ کر سکے اور جہل مرکب میں مبتلا نہ رہے اور حجت تمام ہو جائے۔

---

(۱) امتحان کے بعد ہی انسان کی عزت کی جاتی ہے یا وہ ذلیل ہوتا ہے (۲) ممتحن پر تمہارے حالت کے ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہے (۳) بلکہ اس لئے امتحان لیا جاتا ہے کہ اسکی حالت لوگوں پر ظاہر ہو جائے (۴) جاہل ہونے کے باوجود اپنے کو عالم نہ سمجھے۔

معتزلہ کا رد

معتزلہ نے میزان (۱) کا اسی اشکال کی بناء پر انکار کردیا کہ خدا کو تو معلوم ہے کتنے عمل اچھے ہیں کتنے برے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ خدا نے اپنے علم کے لئے ایسا نہیں کیا بلکہ بندوں کی آگاہی کے لئے ایسا کیا تا کہ خدا پر کسی کو الزام رکھنے کا حق نہ رہے۔ وسوسہ کی گنجائش ہی نہ رہے ورنہ اگر کسی جگہ حجت کج بحثی اور جہل مرکب کا احتمال نہ ہو تو بدوں امتحان کے صرف اپنے علم کے موافق عمل درآمد کرنے میں بھی کچھ محذور (۲) عقلی نہیں۔

مقصودِ امتحان

چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ اپنے شاگردوں کا ماہواری امتحان نہیں لیتے تھے کیونکہ استعداد ہر ایک کی مستحضر تھی جب موقع آتا بلا امتحان لئے نمبر بھر دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھے سب معلوم ہے کہ کون کیسا ہے اور کون کیسا ہے اور یہ بھی فرمادیتے تھے کہ اگر کسی کو یہ احتمال ہو کہ مجھے کم نمبر دیئے ہیں تو لاؤ امتحان لے لوں مگر کسی کو یہ کہنے کی ہمت نہ تھی کہ ہاں لے لیا جائے، امتحان سے مدعی کی زبان بند کرنا مقصود ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس لئے امتحان لیتا ہے کہ لوگوں پر اور خود اس پر بھی یہ ظاہر ہو جاوے کہ محبت کا دعوی سچا ہے یا جھوٹا اگر یہ اُس امتحان میں فیل ہو گیا تو اسے یہ بھی نفع ہوگا کہ آگے پھر کوشش کریگا اور کوشش کر کے اعلیٰ لیاقت پیدا کر کے پھر امتحان میں ضرور پاس ہو جائیگا۔

(۱) وزن اعمال (۲) کوئی عقلی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

بیماری اور مصیبت بھی رحمت ہے

تو جو کچھ بلا اور مصیبت آتی ہے واللہ سب رحمت ہے اس میں ذرا بھی حرج نہیں البتہ ایسے شخص کے لئے ضرور پریشانی ہے جس کا تعلق خدا سے ضعیف ہے(۱) ورنہ سراسر رحمت ہی رحمت ہے چونکہ اس وقت بہت سی پریشانیوں کا ہجوم ہے جن سے خیالات متزلزل ہو رہے ہیں(۲) اس لئے میں نے عمر بھر کے لئے علاج بتا دیا جو شخص اس علاج سے کام لے گا وہ تھوڑے دنوں تک صبر کرتے کرتے پھر بجائے صبر کے شکر کرنے لگے گا۔

اجمالاً خلاصہ بیان کا پھر اعادہ کرتا ہوں اگر سارے مضمون کو یاد نہ رکھ سکو تو اتنا جزو تو ضرور یاد رکھو کہ خدا سے محبت پیدا کر لو تو کبھی حکمت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور نہ شبہ کا وسوسہ آئیگا پھر بلا کی حکمتوں کے جاننے ہی کی ضرورت نہ رہے گی۔

بشر حافی کا مقامِ بلند

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ باوجودیکہ جلیل القدر ائمہ مجتہدین میں سے ہیں حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی تعظیم کیا کرتے تھے حالانکہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ علوم ظاہری میں کوئی معتد بہ(۳) درجہ نہ رکھتے تھے مگر خدا کی محبت میں سرشار تھے۔ ایک طالب علم نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ان کو علوم میں کچھ بھی دسترس نہیں، پھر آپ ان کی اسقدر تعظیم کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا میں ان کی تعظیم اس لئے کرتا ہوں کہ میں کتاب کا علم رکھتا ہوں اور یہ کتاب والے کا علم رکھتا ہے۔ طالب علم نے کہا میں ان سے کوئی مسئلہ پوچھوں فرمایا ان سے مسئلہ نہ

(۱) کمزور (۲) خیالات بدلتے رہتے ہیں (۳) قابل شمار۔

پوچھنا طالب علم نے نہ مانا اور جا کے پوچھا کہ حضرت نماز میں سہو ہو جائے تو کیا کرنا چاہیئے۔ فرمایا ایسے غافل قلب کو سزا دینی چاہئے جو خدا کے سامنے سہو کرے پوچھا کسی کے پاس مال ہو تو زکوٰۃ کس حساب سے دے فرمایا تمہاری زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب بقدر نصاب مال جمع ہوجاوے اور سال گذر جائے تو چالیسواں حصہ مساکین کو دے دو اور ہماری زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ سب بھی دیں اور اوپر سے نفس کو اس کی سزا دیں کہ اتنا جمع ہی کیوں کیا۔ وہ طالب علم گھبرائے کہ ان سے سوال کرنے سے تو دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہے یہ تو اپنی طرف کھینچتے ہیں پھر فقہ کون حاصل کریگا۔ یہ اثر تھا محبت کا اس لئے میں کہتا ہوں تم اپنے اندر محبت پیدا کرلو جس کے بعد پھر پریشانی کی حکمت کے سوال ہی کی حاجت نہ رہے اگر محبت ہوجائے تو پریشانی کی صورت بھی نظر نہ آئے ہر حال میں خوش رہے۔

صحابہ پر محبت کا اثر

حضرت خبیبؓ کو کفار مکہ نے قتل کرنا چاہا فرمایا اچھا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں۔ مہلت ملی اچھی طرح وضو کیا اور نماز پڑھی اور جوش میں آ کر یہ شعر پڑھے ؎

ولست ابالی حین اقتل مسلما　　علی ایّ شق کان اللّٰہ مصرعی

یعنی خدا کی راہ میں تو کسی کروٹ پر بھی قتل کیا جاؤں کچھ حرج نہیں ؎

وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشا　　یبارك علی اوصال شلو ممزع

حضرت سعد بن جبیرؒ کو حجاج بن یوسف نے قتل کیا قبلہ کی طرف منہ کر کے فرمایا ﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَ﴾(۱) حجاج کو غصہ آیا اس نے کہا ان کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیر دو پھیر دیا گیا تو انہوں نے فرمایا ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۲) اسے اور غصہ آیا حکم دیا ان کا منہ زمین کی طرف کردو زمین کی طرف کردیا گیا تو فرمایا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾(۳) بہت غصہ ہوا اور حکم دیا جلدی قتل کرواسے تو سارا قرآن یاد ہے غرض قتل ہورہے ہیں اور کچھ پروا نہیں حضرت یہ کیا بات تھی؟ بات یہ تھی کہ ان کی رگ رگ میں محبت رچی ہوئی تھی یہ اُس کا اثر تھا کہ پریشانی پاس نہ تھی۔ دیکھ لیجئے یہ ہیں آپ کے بزرگ۔ اور ایک آپ ہیں کہ ایک دو مہینہ کا لونڈا مرگیا اور لگے ہائے وائے کرنے کیا یہی محبت ہے۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق (۴)

یہ محبت نہیں کہ ذرا سا چرکہ لگا اور بھاگ نکلے۔

محبت پیدا کرنے کا طریقہ

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ محبت کیونکر پیدا ہو اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت معین کرو جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کیا کرو۔ تھوڑے دنوں کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ محبت پیدا ہوجائیگی اور خود بخود حکمتیں کھلنے لگیں گی۔ دوسرے کسی بزرگ کی صحبت میں بیٹھا کرو اہل محبت کے تذکرے دیکھا کرو میں نے ایک کتاب روض الریاحین کا جس میں پانچ سو بزرگوں کی حکایتیں ہیں اردو میں ترجمہ کرادیا ہے پانچ سو وہ اور پانچ سو دوسری معتبر حکایتوں کا اضافہ کرکے اس کا لقب ''ہزار داستاں'' رکھا ہے وہ عنقریب چھپ جائیگی۔ میرا یقین ہے کہ جو شخص ساری کتاب

(۱) سورۂ انعام: ۷۹ (۲) سورۂ بقرۃ: ۱۱۵ (۳) سورۂ طہٰ: ۵۵ (۴) تو تو میدان عشق پر ایک زخم برداشت کرنے سے بھی بچتا ہے تو تو صرف عشق کا نام ہی جانتا ہے اس کی حقیقت نہیں جانتا۔

اچھی طرح سمجھ کر دیکھے گا ضرور عاشق ہوجائیگا آخر ایک ہزار عشاق کے تذکرے دیکھنے سے کہاں تک اثر نہ ہوگا۔ اور بھی کتابیں اس قسم کی ہیں مثلاً ''احیاء العلوم'' ''مقاصد الصالحین'' وغیرہ الغرض یہ مجموعہ اجزاء محبت پیدا کرنے کی تدبیر ہے پھر سب قصے سہل ہوجائیں گے۔ اب دُعا کرو کہ حق تعالیٰ اپنی محبت دے۔

آمین۔

ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی